ستمبر ۱۹۹۲ء

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)



تفہیم القرآن کے بعد
تفہیم سیرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے

سیرتِ سرورِ عالم

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

***

جلد اوّل ———— بنیادی مباحث

جلد دوم ———— ولادت سے ہجرت تک

سائز: ۲۰×۲۶/۸ ○ کتابت: دلکش ○ طباعت: عکسی ○ جلد: نفیس

ضخامت جلد اوّل: ۷۶۴ صفحات ⦿ ضخامت جلد دوم: ۷۶۴ صفحات

دونوں جلدیں نقشے اور تصاویر سے مزیّن ہیں

قیمت مکمل سیٹ : -/۲۰۰ روپے

اِدارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ○ لاہور

جلد ۱۱۸ — مبر ۱۹۹۲ء ربیع الاول ۱۴۱۳ھ — عدد ۱

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل-۵۳۴۰

جلد ۱۱۸ عدد ۱

فہرست مضامین

برائے اداری امور: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور-۵۴۵۷۰ ــــ فون نمبر ۸-۱۲۴۰۷۴، فیکس (۰۴۲) ۴۲۴۲۱۹

برائے انتظامی امور: رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور-۵۴۰۰۰

فون نمبر: ۲۳۴۰۱۴-۲۳۶۶۶۵ پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

فی پرچہ: ۶ روپے ○ زرِ سالانہ: ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر "ترجمان القرآن" اچھرہ، لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

یورپ کے عین قلب میں، جی ہاں تہذیب کے علم بردار یورپ کے عین قلب میں، بنیاد پرستی اور مذہبی جنون کے "امراض" میں مبتلا نہیں، بلکہ امن و انصاف، انسان دوستی اور ایک نئے عالمی نظام کے علم برداروں کے ہاتھوں، آج بوسنیا کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے اور یورپ کے نقشے سے بوسنیا کی مسلمان ریاست کا نام و نشان مٹانے کے لیے وحشیت و بربریت کا جو انسانیت سوز کھیل کھیلا جا رہا ہے، وہ اب کوئی ڈھکا چھپا راز نہیں رہا۔ لیکن سربیا کے چنگیز خانی مظالم، مغربی طاقتوں کی مکاری اور عیاری، اور مسلم ممالک کی انتہائی شرم ناک بے حسی پر کتنے ہی غیض و غضب کا اظہار کیا جائے، یا ماتم، حالات میں کوئی تغیر رونما نہ ہوگا۔ بوسنیا کا المیہ ہو، گزشتہ سال کی خلیجی جنگ ہو، مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کا تسلط ہو، یا مستقبل کے پردہ میں روپوش ایسے ہی غیر معلوم مگر یقینی واقعات، ان سے مفر ممکن نہیں۔ جو کچھ پیش آ رہا ہے وہ بھی قانونِ ازلی کے تحت پیش آ رہا ہے کہ **فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ** (آخر کار ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہوں کی پاداش ہی میں پکڑا)۔ تغیر رونما ہوگا تو وہ بھی قانونِ ازلی ہی کے مطابق کہ **لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى** (انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے) اور **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ**...الخ (اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔ اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کردے تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے)۔

اپنے لیے خود ہی فکر کرنا، اللہ کی طرف رجوع، اپنی منصوبہ بندی، اور اپنی سعی و جہد، اور اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت، اس کے علاوہ ان الم ناک واقعات کا دھارا پلٹنے کا اور کوئی راستہ نہیں۔ اقوامِ متحدہ کی فوجیں، اقوامِ عالم کا ضمیر، یورپی برادری کی دخل اندازی، یا

اسلحہ کے لیے اپنے ہی دشمنوں سے سوال اور امیدیں' یہ سب جھوٹے سہارے ہیں' اور دل کو بہلانے کے لیے نشے کے جام۔ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودے اور کمزور۔

بوسنیا کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑنے سے پہلے' ملتِ اسلامیہ کے جسدِ واحد کے دوسرے حصے اپنے ان بھائیوں کے وجود سے بھی واقف نہ تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب دنیا پر خلافتِ عثمانیہ کی عظمت کا جھنڈا لہرایا کرتا تھا' اس کی سرحدیں وسطِ یورپ تک وسیع ہو چکی تھیں' اور اس کی فوجیں ویانا کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔ بوسنیا یورپ میں عثمانیوں کی سرحد پر وہ صوبہ تھا جہاں پندرھویں صدی کے اواخر میں سلاوک نسل کے لوگ بڑے پیمانہ پر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ ایک روایت کے مطابق ایک دن میں ۳۶ ہزار افراد نے اسلام قبول کیا۔ انیسویں صدی کے اواخر میں ادھر خلافت عثمانیہ زوال کے مدارج اترتی رہی' ادھر بوسنیا اور مشرقی یورپ کے دیگر مسلمان' عیسائی ریاستوں کے زیرِ نگیں آتے گئے۔ "جنونی" مسلمانوں کی حکومت میں تو عیسائی اور یہودی مکمل رواداری' جان و مال کی سلامتی اور دیگر حقوق کی نعمتوں سے بہرہ ور رہے تھے۔ لیکن جو مسلمان' عیسائی مملکتوں کے تحت آتے' ان کے خلاف ظلم و جبر اور قتل و غارت کی قیامتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ٹوٹ پڑتا۔ اسی سلسلہ کی تازہ ترین کڑی بوسنیا میں مسلمانوں کے استیصال کی مہم ہے۔

بوسنیا کے سلاوک مسلمان ہوگئے' لیکن ان کے شمال میں کروشیا' رومن کیتھولک رہا' اور مغرب و جنوب میں سربیا یونانی آرتھوڈکس چرچ کا پیروکار۔ مختلف مذاہب اور نسلوں کے اس خطّہ کو' پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۸) کے بعد' قدیم حکومتوں کے ملبہ پر یوگوسلاویہ کی شکل دی گئی۔ جہاں دوسری جنگ عظیم (۱۹۴۵) کے بعد مارشل ٹیٹو کی کمیونسٹ حکومت غالب آگئی۔ ٹیٹو کے دور میں یوگوسلاویہ ۸ بظاہر خود مختار ریاستوں پر مشتمل ملک تھا۔ ٹیٹو خود کروشیا کا تھا' لیکن پارٹی اور فوج میں سربین غالب تھے' اور سربیا ہمیشہ سے' پورے خطہ کو دیگر لوگوں سے' خصوصاً مسلمانوں سے' "پاک و صاف" کرکے ایک عظیم سربیا وجود میں لانے کے لیے کوشاں رہا ہے۔ کمیونزم کے زوال کے بعد مختلف ریاستوں نے سربیا کے تسلط سے نکل کر آزاد ہونا شروع کردیا۔ سلووینیا اور کروشیا جیسی عیسائی ریاستیں تو' سربیا کی مزاحمت کے باوجود' یورپی برادری اور اقوامِ متحدہ کی سرپرستی میں آزاد ہوگئیں۔ لیکن جب بوسنیا نے' جہاں کی ۴۴ فیصد آبادی مسلمان تھی' ریفرنڈم میں آزادی کے فیصلے کی جسارت کی تو سربیا نے یورپ میں قتل و غارت' شہروں اور قصبات کی تباہی' بڑے

پیمانہ پر آبادیوں کا انخلا' کیمپوں میں نظربندی' عصمت دری اور ہلاکت کا ایک ایسا شیطانی کھیل شروع کردیا جس کی نظیر کم ہی ملے گی۔ یورپی برادری اور امریکہ نے اس شیطانی کھیل پر کچھ نہ کرنے اور نیم دلانہ مذمت کی پالیسی اختیار کرلی۔ آخر یورپ کے قلب میں ایک مسلمان ریاست کیسے برداشت کی جاسکتی تھی' جو برائے نام مسلمان سہی' لیکن بہر حال تھی تو مسلمان۔ خصوصاً تاریخ کے ایسے موڑ پر جب آنے والی تہذیبی کشمکش میں مسلمان ہی اصل حریف اور ہدف بن چکا ہے۔

سربیا کا خواب واضح ہے : ایک عظیم سربیا۔ ان کے عزائم بھی عیاں ہیں : کم سے کم دو تہائی بوسنیا پر قبضہ اور وہاں سے مسلمانوں کا صفایا۔ ان کا طریقِ واردات بھی آنکھوں کے سامنے ہے : مسلمان آبادیوں کا محاصرہ' ان پر گولہ باری' عمارتوں کو مسمار کرنا' فاقوں سے مارنا' قبضہ ہوجائے تو ان کو تتر بتر کردینا' جاتے ہوئے ان سے تمام اموال و جائیدادوں کی ملکیت منتقل کرالینا' جو نہ جائیں ان کو مویشیوں کی طرح باڑوں میں بند کردینا' لڑنے کے قابل نوجوانوں کو سر میں گولی مار کے یا گلے کاٹ کر ہلاک کردینا۔ یہ سب کچھ ٹی وی اسکرینوں اور اخباری کالموں میں دیکھا جا رہا ہے۔

بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق ۱۹ لاکھ مسلمانوں میں سے ۹ لاکھ بوسنیا سے باہر نکالے جا چکے ہیں' اور ۸ لاکھ خود بوسنیا میں بے گھر ہیں۔ کیمپوں میں بند ہیں یا دربدر ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ ایک لاکھ کے قریب لوگ ہلاک کیے جاچکے ہیں۔ فوکا شہر میں ۷۵ فیصد مسلمان تھے۔ آج ایک بھی نہیں۔ بوسنیا میں سینکڑوں مساجد گولہ باری سے منہدم کی جاچکی ہیں۔ بوسنیا کی معیشت کی تباہی کا اندازہ ایک سو ارب ڈالر کے مساوی ہے۔ یہ سب کچھ مہذب یورپ کے قلب میں ہو رہا ہے۔

وحشیت و بربریت اور درندگی کے جو کام کیے گئے ہیں' جو سب عینی شواہد سے ثابت ہیں' وہ لرزہ خیز اور ناقابلِ یقین ہیں۔ جس رات برطانوی ٹی وی کے پردہ پر اومارسکا (Omarska) اور منیاکا (Manjaka) کے کیمپوں کے انسانی ڈھانچے نمودار ہوئے' سنگ دلوں کے بھی دل ہل گئے' آنکھیں نم ہوگئیں۔ اومارسکا کے بلیک ہول میں ۲۵۰۰ انسان اس طرح بند کیے گئے کہ کئی دم گھٹنے سے مرگئے۔ فرینکفرٹ کی انٹرنیشنل سوسائٹی فار ہیومن رائٹس کے پاس ایسے ۱۱ کیمپوں کے بارے میں عینی شواہد موجود ہیں جہاں قیدیوں کو منظم طریقہ سے باقاعدہ ہلاک کیا جا رہا ہے۔ صرف فوکا اور پریڈور (Prijidor) کے دو کیمپوں میں "ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتارا جاچکا ہے"۔ ایک نامہ نگار نے فوکا کیمپ میں ایک کلومیٹر فاصلہ میں ۲۰ لاشیں شمار کیں۔

۴۵-۱۹۴۱ کے دوران بھی ایک لاکھ ۲۰ ہزار مسلمان ہلاک کیے گئے تھے۔ حجاب کا مذاق اڑانے کے لیے عورتوں کے چہروں کی کھالیں کھینچ کر اتار دی گئی تھیں' وضو اور نماز کا تمسخر بنانے کے لیے مردوں کے ہاتھوں' پیشانیوں کی کھالیں چھیل دی گئی تھیں۔ آج کی درندگی کچھ کم نہیں۔ ایک سرب عورت نے کانچ کے ٹکڑے سے مردہ اور زندہ مسلمانوں کی آنکھیں نکال دیں' اعضا کاٹ دیے' اور اپنے اس فعل پر بڑے فخر اور خوشی کا اظہار کیا۔ بھاری ہتھوڑوں سے سر پھاڑ دیے گئے اور رپورٹروں نے راستوں میں بکھرے ہوئے انسانی بھیجے دیکھے۔ بچوں کی تدفین ہو رہی تھی تو قبرستان پر گولہ باری کی گئی' پوتے کو دفن کرنے آیا تھا مگر دادا خود اپنے اعضا کھو بیٹھا۔ سنگ دل رپورٹر بھی رو پڑے۔ بے دردی سے مارا پیٹا جاتا ہے تو نہ زخمی' نہ بیمار' نہ عورت' نہ بچہ' کوئی نہیں بچتا۔ ۸ اگست ۱۹۹۲ کے ڈیلی ٹیلی گراف میں ایک آنکھوں دیکھی رپورٹ پڑھ لیجیے۔ شاید آپ کو یقین نہ آئے کہ آپ اس صدی میں رہ رہے ہیں جب ہاتھ کاٹنے اور کوڑے مارنے کو وحشیانہ کہا جاتا ہے۔

سولیو ڈیلک اپنے شہر کا نقشہ کاغذ پر بناتا ہے اور بتاتا ہے :

> یہ ہیں وہ پل جہاں مسلمان روز ذبح کیے جاتے تھے ! یہ ہے وہ سڑک جہاں اس سے خون صاف کرایا گیا تھا ! یہ ہے وہ مقام جہاں اس نے انسانی سر سے لٹکتا ہوا مغز دیکھا !
>
> وہ وین اور لاریوں میں ایک ایک گلی میں جاتے' فہرستوں سے اپنے شکار تلاش کرتے' زیادہ تر نوجوان اور ادھیڑ عمر کے مسلمان۔ لاریوں میں بھر کر لوگوں کو پلوں تک لے جاتے' اتار کے دیواروں کے ساتھ کھڑا کر دیتے۔ پھر ان کو ذبح کر دیا جاتا۔ کسی کے سر میں گولی مار کے' کسی کا گلا کاٹ کے' کسی کی پیٹھ میں چھرا گھونپ کے۔ پھر ان کی لاشیں دریائے ڈرینا میں پھینک دی جاتیں۔ ساتھ ہی باقی گلیوں میں ایک وین اعلان کرتی پھرتی کہ "مسلمانو' تم بالکل محفوظ ہو"۔

بوسنیا کویت نہیں ہے' نہ وہ دوسرا "کویت" بننے کی شرائط پر پورا اترتا ہے۔ وہاں انسان بستے ہیں' وہ بھی مسلمان ! نہ وہاں تیل بستا ہے' نہ وہاں امریکی' یورپی مفادات رہتے ہیں' نہ وہاں اسرائیل ہے کہ جس کی رضا مقصود ہے' نہ وہاں مسلمان سے مسلمان کا گلہ کٹوانے کا مقصد حاصل ہوتا ہے' نہ وہاں سے اربوں ڈالر مل سکتے ہیں۔

پھر کیا ۱۴۹۲ کے سقوطِ غرناطہ کی ۵۰۰ سالہ یادگار کے طور پر ۱۹۹۲ میں بوسنیا کو ایک دوسرا اسپین

بننا ہے؟ اس سوال کا جواب تو کل کی تاریخ دے گی، مگر آج کے حقائق سے چشم پوشی ایک جرمِ عظیم ہو گا۔

بوسنیا میں بہیمانہ بربریت مغرب کی مہذب اقوام کے لیے اتنا بھی سنگین واقعہ نہیں ہے جتنا عراق کی طرف سے اقوامِ متحدہ کو وزارتِ زراعت کا معائنہ کرنے کی اجازت نہ دینا، کہ سیکورٹی کونسل جنگ کا الٹی میٹم دے دے، صدر بش اپنی تفریح منسوخ کر دیں، امریکی نیشنل سیکورٹی کونسل کا اجلاس طلب کر لیا جائے، اور امریکی بحری بیڑہ حرکت میں آ جائے۔

بوسنیا ایک آزاد ملک ہے جس کو یورپ کے ممالک اور اقوام متحدہ تسلیم کر چکے ہیں اور جس پر سربیا قبضہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن امریکہ کے قائم مقام وزیر خارجہ کے الفاظ میں "کویت اور بوسنیا میں کیا مماثلت! یہاں خانہ جنگی ہے، وہاں ایک ملک نے دوسرے ملک پر قبضہ کر لیا تھا"۔

اصل بات اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ بوسنیا کے مسلمانوں کو اسلام سے کتنا ہی دور کر دیا گیا ہو، وسط ایشیا کے مسلمانوں کی طرح ان کے دلوں سے بھی مسلمان ہونے کے تشخص کا احساس نہیں کھرچا جا سکا ہے۔ اور دل میں مسلمان ہونے کا احساس اور شعور! یہ ایک ایسا گناہِ عظیم ہے جو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس احساس و شعور کی تہہ میں ایک قیامت اور ایک محشر پنہاں ہے۔ اس لیے فیصلہ یہی تھا کہ بوسنیا نہیں بننا چاہیے! بوسنیا نہیں بنے گا!

چنانچہ وہی یورپی طاقتیں، امریکہ اور اقوام متحدہ، جنہوں نے سلووینیا (Slovenia) کی آزادی اور تحفظ کا بندوبست کیا، کروشیا (Croatia) کو سربیا سے بچانے کے لیے مداخلت کی اور اقوامِ متحدہ کی فوج بھجوا دی، بوسنیا کے معاملہ میں مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہیں، اور کچھ نہ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ کچھ آنکھ کی شرم ہے، کچھ اپنے مہذب ہونے کی لاج بھی رکھنا ہے، اور کچھ یورپ کو درپیش خطرات کا اندیشہ بھی ہے کہ نیم دلانہ کوششیں ہو رہی ہیں۔

مسلمان آبادیوں کا صفایا، کیمپوں میں قتل و غارت اور وحشیت و بربریت کچھ آج ان کے علم میں نہیں آئی ہیں۔ ٹی وی نے تو ہر شہری کے ضمیر کو چونکا دیا ہے، اور حکمرانوں پر کچھ نہ کچھ کرنے کے لیے دباؤ بڑھا دیا ہے۔ ورنہ حکمران تو ان سب واقعات سے، عرصہ سے واقف تھے۔ کینیڈا کی مدرس فار پیس تنظیم کے بیان کے مطابق "ہم نے تو جنوری میں سیکیورٹی کونسل کو تمام حقائق و شواہد فراہم کر دیے تھے"۔ مگر اس وقت کے صدر نے، جو برطانوی سفیر تھے، "میں کچھ نہیں کر سکتا" کہنا کافی سمجھا۔ اقوامِ متحدہ کے سارے اداروں اور مغربی اقوام کی ساری حکومتوں کے پاس بھی سارے حقائق موجود رہے ہیں۔ اس بات کے دستاویزی ثبوت بھی موجود ہیں، اور عقلاً

بھی یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ وہ خود اپنے پڑوس سے اتنے لاعلم ہوں' جب کہ ان کے سیٹلائٹ ان کو دنیا کے چپہ چپہ کی خبریں پہنچا دیتے ہیں۔

یورپی برادری کی طرف سے متعین لارڈ کیرنگٹن (سابق برطانوی وزیر خارجہ) بوسنیا پر برابر یہ دباؤ ڈالتے رہے ہیں کہ وہ ان تمام علاقوں کو جہاں سربین اور کروٹ آباد ہیں' خود مختاری دے دے۔ دوسری طرف یورپ اور امریکہ مختلف طریقوں سے سربیا کو مکمل یقین دہانی کراتے رہے ہیں کہ ان کی طرف سے کسی فوجی مداخلت کا کوئی امکان نہیں' تاکہ سربیا پورے اطمینان سے اور دھڑلے سے مسلمانوں کا صفایا کرنے کا کام کرتا رہے۔ تیسری طرف وہ اس گھڑی کے انتظار میں ہیں جب دو تہائی سے زیادہ بوسنیا پر سربیوں کا قبضہ ہو جائے (جو بوسنیا کی آبادی کا ۳۰ فیصد ہیں)' مسلمانوں کا انخلا ہو جائے' پھر وہ اپنے سر جنگ بندی اور صلح کا سہرا باندھیں' اور بوسنیا ایک ایسی صورتِ حال قبول کرنے پر مجبور ہو جائے جب اس کے لیے اپنے باقی ماندہ تھوڑے سے علاقہ میں ایک آزاد مملکت کے طور پر باقی رہنا ممکن نہ ہو۔

چنانچہ مغربی اقوام کی ساری کارروائیاں انسانی امداد پہنچانے' مہاجرین کا انخلا مکمل کرنے' اور سربیا کو گیدڑ بھبکیاں دینے تک محدود ہیں۔ ان کو فکر نہ بوسنیا کی سرحدوں کی ہے (جس طرح کویت کی سرحدوں کی تھی)' نہ مسلمانوں کے قتل و غارت کی ہے۔

ٹی وی کے پردہ پر کیمپوں میں محصور' لرزہ خیز' چلتی پھرتی انسانی لاشیں دیکھنے کے بعد بہت سوں میں وہ "انسان" جاگ اٹھا جو ہر فطرت میں موجود ہے۔ اخبارات نے فوجی مداخلت کی حمایت میں اداریے لکھے۔ امریکہ میں ۵۳ فیصد افراد نے سربیا کے خلاف جنگی کارروائی کی حمایت کی۔ لیکن صدر بش' وزیر اعظم جان میجر' اور دیگر یورپی زعما امدادی قافلوں کو فوجی حفاظت فراہم کرنے کے اعلان سے ایک انچ آگے جانے کو تیار نہیں ہیں۔ عرب کے ریگستانوں میں لاکھوں کی فوج اتاری جاسکتی تھی مگر اب صدر بش کہتے ہیں کہ "میں ایک آدمی بھی نہیں بھیجوں گا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کس طرح نکل کر واپس آئے گا"۔ وہ سربیا کو ہوائی بمباری کی دھمکی بھی دینے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ دراصل یہ سب کے سب بوسنیا پر فاتحہ پڑھنے کے انتظامات کرنے میں مصروف ہیں اور اسی گھڑی کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔

اگر کچھ اضطراب ہے تو ان خطرات کے اندیشوں کی وجہ سے ہے جو یورپ کو لاحق ہو سکتے ہیں۔ سربیا کے جنوب میں کوسووہ (Kosovo) کی چھوٹی سی ریاست ہے' جہاں ۹۰ فیصد آبادی البانین مسلمانوں پر مشتمل ہے' اور جو ابھی تک دم مارنے کی ہمت بھی نہیں کر رہی ہے۔ مقدونیا

کی ریاست ہے جہاں پر فیصد مسلمان ہیں۔ کیا سربیا' بوسنیا سے فراغت کے بعد' کوسووہ کا رخ کرے گا؟ جرمنی کی سوسائٹی برائے انسانی حقوق کی رپورٹ کے مطابق' وہاں سارے البانوی مسلمان بچوں کو ایسا زہر دے دیا گیا ہے جس سے وہ بانجھ ہو جائیں۔ وہ سارے شہری و انسانی حقوق سے محروم کردیے گئے ہیں' ملازمتوں سے نکال دیے گئے ہیں۔ کوسووہ سے متصل البانیہ ہے۔ پھر کہیں یہ آگ پھیلتی تو نہ چلی جائے گی کہ سارے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

۱۹۱۴ میں بوسنیا کے دارالسلطنت' سرائیوو ہی میں وہ گولی چلی جس نے نہ صرف آسٹریا کے آرچ ڈیوک کو ہلاک کردیا' بلکہ اس جنگِ عظیم کی آگ بھڑکا دی جس میں یورپ کے مسلسل' لامتناہی ترقی کے خواب خاکستر بن گئے۔ چار سالہ طویل اور تباہ کن' مگر لایعنی جنگ اور کروڑوں لاشوں اور اپاہج و مفلوج جسموں نے یورپ کے جسم و جان پر ایسے کاری زخم لگا دیے' جن سے وہ آج تک صحت یاب نہیں ہوسکا اور سرائیوو میں چلنے والی گولی دوسری زیادہ تباہ کن جنگِ عظیم کا تحفہ بھی دے گئی۔

آج سرائیوو میں' ایک فرانسیسی مبصر کے الفاظ میں' جارج بش کا "نیا عالمی نظام" تو دفن ہوچکا ہے۔ کیا سرائیوو میں چلنے والی گولیاں ایک دفعہ پھر پورے یورپ کو تباہی کی کسی آگ میں لپیٹ لیں گی؟ کیا بوسنیا سے تتر بتر کیے جانے والے مسلمانوں کے اندر کا مسلمان جاگ اٹھے گا' اور یورپ کے ہر ملک میں جا کر پناہ لینے والے بوسنی مسلمان یورپ کو ایک اور مشرقِ وسطیٰ بنا دیں گے؟ اس قسم کے اندیشے ہیں جنھوں نے مارگریٹ تھیچر کو یہ کہنے پر مجبور کردیا کہ "سربیا کو الٹی میٹم دو۔ اس کے فوجی ٹھکانوں پر بمباری کرو' اور بوسنیا کی اصل سرحدیں بحال کراؤ۔"

فرعون کو اپنے گھر میں موسیٰ کے وجود سے ڈر لگا ہوا ہے۔ لیکن فرعون کے لیے اپنے انجام سے کوئی مفر ممکن ہے؟

بوسنیا یورپ کی مزعومہ تہذیب کی پیشانی پر ہی کلنک کا ٹیکا نہیں جس کا دھونا اس کے لیے ناممکن ہے' عالم اسلام کے دامن پر بھی ایسا داغ ہے جو دھوئے نہ دھلے گا۔ اس پورے عرصۂ قیامت میں مسلمان ممالک کے بادشاہ' جنرل' وزرائے اعظم کمزور سے احتجاج' مہینوں کے بعد سفرا کی واپسی' سفارتی تعلقات کے انقطاع سے زیادہ بڑا کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکے۔ بے حسی اور ذلت کی بھی حد ہوتی ہے۔ ایک پوری مسلم آبادی کا نام و نشان مٹایا جا رہا ہے' اسے بدترین

مظالم کا شکار بنایا جا رہا ہے، وہ جرات و ہمت سے اپنے اسلامی تشخص کے تحفظ میں جہاد میں مصروف ہے، نہ اس کی ملی مدد ہے، نہ مادی، نہ فوجی۔ جن ملکوں نے اربوں ڈالر پلیٹ پر رکھ کر امریکہ، اسرائیل اور روس کی خدمت میں پیش کر دیے، ان کے خزانوں پر سانپ بیٹھے رہے، اور بوسنیا کے مسلمان مرتے رہے۔

بنی اسرائیل کی اسی بے حسی، اور برادر کشی، اور برادر کشی سے تغافل اور بے نیازی پر قرآن نے یہ کہا تھا کہ :

تم میں سے جو لوگ ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں، اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں (البقرہ ۲ : ۸۵)

المیہ، المیہ ہی ہے۔ لیکن اس المیہ نے بوسنیا کے مسلمانوں کو اسلام سے آشنا کر دیا، مسلمان ہونے کا شعور ان کے دل و دماغ پر ثبت کر دیا۔ تمہارا قصور کیا تھا؟ اس کا جواب اب ہر ایک کے پاس ایک ہی ہے : ہم مسلمان ہیں۔ عملی طور پر وہ اسلام سے بہت دور جا چکے تھے۔ اب بے جگری سے "مسلمان رہنے کے لیے" لڑ رہے ہیں۔ جنت ان کے لیے مطلوب و مقصود بنتی جا رہی ہے۔ بوسنیا کے مفتی صاحب کے الفاظ میں "اگر ہم نے اب بھی جنت حاصل کرنے کی سعی نہ کی، تو ہم دو جہنموں میں جلیں گے، ایک اس دنیا میں ظلم و ذلت کی جہنم اور دوسرے آخرت میں اللہ کی جہنم۔"

مادی طور پر دونوں کے درمیان کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ مگر، اللہ اکبر! اللہ کی طاقت ہر طاقت سے بڑی ہے اور اس کی تدبیر ہر تدبیر پر حاوی۔ وہ شکستوں کو فتح سے ہم کنار کر سکتا ہے۔ اگر بوسنیا کے مسلمان شوقِ شہادت اور طلبِ جنت کی راہ میں سر فروشی کے نئے باب رقم کرتے رہے، تو انشاء اللہ صدیوں کے بعد، یورپ کے عین قلب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو جائے گی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ اندھیروں میں بوسنیا سے جس روشنی کے پھوٹنے کے امکانات سامنے ہیں ان کو حقیقت بنانے کے لیے یہی ضروری نہیں کہ بوسنیا کے ہمارے مسلمان بھائی، جو نہ عرب ہیں، نہ ترک، نہ ایرانی، نہ افغانی، نہ پاکستانی، بلکہ خالص یورپین ہیں، خاک و خون کے طوفان سے گزریں، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے جسدِ واحد کا ہر حصہ دامے درمے قدمے سخنے ان کا شریکِ سفر ہو۔ ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کے مسلمان آگے بڑھ کر نصرتِ دین کی روشن مثال قائم کریں گے۔

حکمت و بصیرت کیوں ضروری ہے

ایسے آدمی کو عاقل و دانا قرار دینا بہت مشکل ہے جو مسلمانوں کے اندر پھیلی ہوئی بداخلاقیوں کو دیکھ کر، یا ان میں تساہل کو محسوس کر کے پہلے تو یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سوسائٹی اسلام سے منحرف ہو چکی ہے اور پھر اس احساس کے نتیجے میں وہ اس طرح کام کا آغاز کرے جیسے وہ کفار کے درمیان کام کر رہا ہے۔ حالانکہ جو چیز ہمارے پاس واقعی موجود ہے' اور اسلام کے لیے سازگار ہے' ہمارا کام یہ ہے کہ اس کو ضائع نہ ہونے دیں اور کوشش کریں کہ یہ اور زیادہ مدد گار بنے۔ دور پھینکنے کی بجائے اس کو قریب لانے کی کوشش کریں۔ جو چیزیں اس کو بگاڑنے والی ہیں ان کی مزاحمت کریں تاکہ یہ مزید نہ بگڑے۔ ہم ہمیشہ اس بات کو اپنے سامنے رکھیں کہ جیسا کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی لوگوں میں جذبہ موجود ہے' وہ اسلام کے حق میں کام آئے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک حکیم اپنے کام کا آغاز کیسے کرتا ہے۔ اور اس کام کے لیے بصیرت و حکمت کی ضرورت کیوں ہے۔

اسی طرح دین کا کام کرنے والے کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کون سی قوتیں ہیں جو یہاں اسلام کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ ان کے پیچھے محرکات کون سے ہیں۔ ان کے افکار کا ماخذ کیا ہے' ان کا فلسفہ کیا ہے۔ وہ بنیادیں کیا ہیں جن پر یہ قوتیں کام کرنے اٹھی ہیں۔ ان ساری چیزوں کا جائزہ لے کر وہ دیکھے گا کہ کیسے ان سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے اور کیوں کر ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے ــــ مثال کے طور پر ایک شخص جو کسی پہلوان سے کشتی لڑنے جا رہا ہو' وہ پہلے یہ دیکھے گا کہ یہ پہلوان کتنا طاقتور ہے؟ اس کا وزن کیا ہے؟ اس کے معروف داؤ پیچ کون کون سے ہیں' اس کے سابقہ مقابلوں کا کیا نقشہ ہے' اس کے مقابلے میں مجھے کتنی تیاری کرنی چاہیے اور کتنی طاقت فراہم کرنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان سارے پہلوؤں کا جائزہ لے کر مقابلے کے لیے آگے بڑھے گا۔ دوسرے کی طاقت کا اندازہ لگائے بغیر اکھاڑے میں اترنے والا آپ سے آپ

پچھڑے گا۔

اس کے ساتھ حکمت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ لائن آف ایکشن (line of action) ایسی اختیار کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ موجود مواد استعمال ہو سکے اور جو موجود مواد کو زیادہ سے زیادہ مددگار بنانے کے لیے موزوں ہو۔ مزاحم طاقتوں کا مقابلہ کرنے میں وہ زیادہ سے زیادہ طاقت فراہم کرے اور ایسا لائحہ عمل اختیار کرے کہ مزاحم طاقتوں کا زور زیادہ سے زیادہ اور جلد سے جلد ٹوٹ سکے۔

میرے نزدیک مختصراً حکمت کا مفہوم یہی کچھ ہے۔

موعظہ حسنہ اور اقامتِ دین

دوسری چیز موعظت حسنہ ہے یوں تو اس کے کئی پہلو ہیں لیکن دو چیزیں خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں:

پہلی چیز یہ ہے کہ نصیحت اور دعوت و تبلیغ میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو دوسرے شخص کے اندر ضد پیدا نہ کرے' اس میں کد اور غصہ پیدا نہ کرے۔ آپ لوگوں سے ہمیشہ اس طرح اپیل کریں کہ اگر ان کی فطرت میں ذرہ برابر بھی بھلائی موجود ہو تو وہ متاثر ہوں اور اگر ان کے اندر کوئی کجی اور ٹیڑھ ہو تو اس کو اور زیادہ کام کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ اس معاملہ میں ایک مرتبہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک بڑی دلچسپ مثال بیان فرمائی کہ ہم جب مناظرے کرتے تھے تو یہ سمجھتے ہوئے کرتے تھے کہ جیسے ایک آدمی کے کندھے پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا ہے اور اسے اس حد تک احتیاط سے کام لینا ہے کہ کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوجائے جس سے یہ پرندہ اڑ جائے۔ ہمیں تو اس پرندہ کو پکڑنا تھا۔ اس لیے ہم اتنی احتیاط کے ساتھ مناظرے کرتے تھے۔

اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جتنا کچھ ایمان ایک آدمی میں موجود ہو۔ مناظرے کا مقصود اس کو بڑھانا ہو نہ کہ جتنا کچھ موجود ہو وہ بھی ختم ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ ایسی بے دردی سے مناظرے کرتے ہو کہ جتنا کچھ ایک آدمی دین سے دور ہے تمہارے مناظرے کی بدولت اس سے بھی زیادہ دور چلا جاتا ہے۔

تو موعظہ حسنہ یہ ہے کہ آپ دعوت و تبلیغ کا ایسا طریقہ اختیار کریں جو دوسروں کو زیادہ سے زیادہ اپیل کرے۔ ان کے اندر ضد پیدا نہ کرے اور ان کو حق سے اور زیادہ دور نہ پھینک دے۔ زبان اور طرز بیان ایسا ہونا چاہیے کہ آپ کو لوگوں سے قریب کرے اور ان کو آپ سے

مانوس کردے نہ کہ ان کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت اور غصہ کے جذبات پیدا کر دے۔

دوسری ضروری چیز موعظہ حسنہ کے لیے یہ ہے کہ آپ کسی شخص کو نصیحت کرنے اور اسے سمجھانے کی کوشش کرنے سے پہلے یہ جانیں کہ اس کی گمراہی کی پشت پر کیا چیز ہے۔ اس کی گمراہی کے اسباب کیا ہیں۔ پھر اس کو اس کے مطابق سمجھائیں۔ اگر وہ ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہے تو آپ اس کی ذہنی الجھنیں رفع کرنے کی کوشش کریں اور معقول دلائل کے ساتھ اسے مطمئن کرنے کی کوشش کریں۔ اگر کوئی شخص کسی جذباتی بگاڑ میں مبتلا ہے تو اسے سمجھانے میں ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے اس کے جذبات میں اگر دین سے انحراف کی کوئی چیز ہو تو وہ پلٹ کر دین کی طرف مائل کرنے والی بن جائے۔

اسی سلسلے میں ایک بات اور بھی نگاہ میں رکھیے۔

جو آدمی دعوت و تبلیغ کا کام کرنے اٹھتا ہے۔ اس کو دنیا میں طرح طرح کے آدمیوں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اس کو موافقین ہی نہیں ملتے مخالفین بھی ملتے ہیں۔ مخالفین میں بعض لوگ نہایت بدزبان اور بدمزاج ہوتے ہیں۔ بعض لوگ آپ کو شکست دینے کے لیے ایسے tactics استعمال کرتے ہیں کہ اگر آپ جوابی کارروائی پر اتر آئیں تو اپنے مقصد اور مدعا سے دور ہٹتے چلے جائیں گے۔ جس آدمی کو بھی دعوت و تبلیغ کا کام کرنا ہو اس کے اندر بے انتہا صبر و تحمل ہونا چاہیے۔ اور یہ چیز کہیں جا کر بھی ختم نہیں ہونی چاہیے۔ سخت سے سخت باتوں کو بھی آپ برداشت کریں اور ٹال دیں۔ جو شخص آپ کو الجھانے کی کوشش کرے اس کو ایک مرتبہ آپ معقول طریقے سے سمجھائیں۔ لیکن جب آپ یہ سمجھ لیں کہ یہ شخص محض الجھانا چاہتا ہے تو اس کو سلام کرکے علیحدہ ہوجائیں۔ اپنا وقت ایسے افراد پر بالکل ضائع نہ کریں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی راستے سے گزر رہے ہیں اور دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں ہیں اور ہر جھاڑی آپ کے دامن سے الجھ رہی ہے۔ اب اگر آپ نے ایک ایک جھاڑی سے خود ہی الجھنا شروع کردیا تو راستہ طے نہیں کرسکیں گے۔ تھوڑی دیر کے لیے اپنے دامن کو کسی کانٹے سے بچانے کی فکر کیجیے لیکن جب دیکھیں کہ نہیں چھوڑتا تو دامن پھاڑ کر کانٹے کے حوالے کیجیے کہ تو اس سے دل بہلا میں آگے چلا۔

کام کرنا ہے تو یہ راستہ آپ کو اختیار کرنا پڑے گا۔

قرآن کیوں پڑھیں ؟

ڈاکٹر عبدالمغنی

(۲)

قرآن کیسے پڑھیں؟

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے اور اس کی آیات سے فائدہ اٹھانے کے لیے چند بنیادی باتیں مدِنظر رکھنی چاہئیں۔

۱۔ سب سے پہلے تو یہی کہ قرآن کسی ایک موضوع یا چند موضوعات پر کوئی اس قسم کی تصنیف نہیں ہے جیسی تصانیف ایک خاص ترتیب و تنظیم کے ساتھ انسان کے قلم سے نکلتی ہیں۔ یہ کتاب ایک اصلاحی و انقلابی پیغام کی ان ہدایات پر مشتمل ہے جو خداوند تعالیٰ نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر فرد اور پورے سماج کی بہتری کے لیے ایک عملی تحریک کے مختلف مواقع و مراحل پر عطا کیں۔

۲۔ خدائی پیغام کی اس نوعیت اور وقت کی ضرورت کے لحاظ سے متعدد بیانات ایسے ہیں جو بار بار دیے گئے ہیں' اگرچہ بعض اوقات کچھ ردّ و بدل کے ساتھ۔

۳۔ کسی بھی معاملے میں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ شروع سے آخر تک ایک موضوع پر روشنی ڈالنے والی تمام آیات کا مطالعہ و تجزیہ کر کے مجموعی نتائج نکالے جائیں۔ قرآن کی بہترین تفسیر خود قرآن ہے اور قرآن کی آیتیں ایک دوسری کی تشریح و توضیح کرتی ہیں۔ لہٰذا علمی طور پر قرآن کی منظم و مربوط تلاوت کرنی چاہیے۔

۴۔ ایک کتاب سے صحیح معنوں میں استفادہ کرنے کے لیے مصنف پر اعتماد ضروری ہے اور جب مصنف ' خداوندِ عالم ہو تو اس کی کتاب پر اگر ایمان نہیں تو اعتبار ایک بالکل فطری اور معقول بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت پورے خلوص کے ساتھ خدا سے ہدایت طلب کرنی چاہیے' کم از کم دماغ و

اس کو ہر قسم کے تعصبات سے خالی کر کے یکسوئی کے ساتھ خدا کے الفاظ پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

۵۔ قرآن خدا کا آخری لفظ ہے اور اس میں خدا کے پچھلے الفاظ بھی صحیح طور پر محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ لہٰذا خدا کے ایک ایک لفظ کی اہمیت اچھی طرح سمجھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ یہی کتاب سچائی تک پہنچنے کا راستہ دکھاتی ہے اور حقیقت اس کے ہی صفحات میں پائی جاتی ہے۔

۶۔ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ بعض ایسے امور کے بارے میں جن پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے' یا ہے' قرآن کے بیانات حرفِ آخر (Last word) ہیں' اس لیے کہ ان کے مقابلے میں دوسرا کوئی بیان بھی کسی تحقیق پر مبنی نہیں' محض قیاسات کا کھیل ہے یا چند اغراض و مفادات کے لیے وضع کیا گیا ہے' خواہ وہ بیان سائنس دانوں' فلسفیوں اور اسکالروں کا ہو یا مذہبی علما و مشائخ اور صوفیا کا۔ معیار حق سب سے بڑھ کر' اصلی اور قطعی طور پر' صرف قرآن ہے۔

۷۔ قرآن میں دو طرح کی آیتیں ہیں' زیادہ تر محکمات ہیں' جو بالکل واضح ہیں اور ان میں قطعی احکام و ہدایات دیے گئے ہیں' جب کہ معدودے چند متشابہات ہیں' ایسی آیتوں کا تعلق زندگی کے عام مسائل سے ہے بھی نہیں۔ یہ بعض خاص امور کے متعلق چند اشارات ہیں۔ لہٰذا معقول علمی طریقہ یہ ہے کہ متشابہات میں الجھنے کے بجائے محکمات پر توجہ مرکوز کی جائے' اگرچہ دونوں قسم کی آیات کے من جانب اللہ ہونے پر یقین کیا جائے۔

مطالعۂ قرآن کا حاصل

اگر صحیح طریقے پر قرآنِ حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ حیات و کائنات کا حقیقی علم حاصل ہو جانے کی وجہ سے انسان کے دل میں وہ خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور ہر قسم کی فلاح و ترقی کا ذریعہ ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۸)

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں)

یہ تقویٰ یعنی پرہیزگاری کا معیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بار بار خدا کا انکار کرنے والوں "کفار و مشرکین" کو جاہل اور احمق کہا ہے' خواہ وہ اپنے گمان میں کتنے ہی بڑے بقراط و سقراط بنے بیٹھے ہوں اور دنیا کے لوگ بھی عام طور پر ان کو علامہ دھر سمجھتے ہوں' اس لیے کہ جو شخص آسمان سے زمین تک' آفاق و انفس میں پھیلے ہوئے حقائق کو صبح و شام دیکھ کر بھی خدا کے وجود کا قائل نہ ہو وہ یقیناً ایک بے خبر' بے علم' نادان اور بے وقوف انسان ہے اور اگر وہ کسی علم کا اظہار کرتا ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا' اگرچہ اس کے نتائجِ فکر اگر کچھ ہیں تو ان پر غور کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بہرحال' معتبر اور نافع علم وہی ہے جو فطرت کے ساتھ ساتھ خالقِ فطرت کی معرفت سے بھی بہرہ ور ہو۔ جس کسی کو یہ معرفت حاصل ہو جائے گی اس کے اندر خوفِ خدا بھی لازماً پیدا ہوگا اور یہی اس کے علم و دانش اور بصیرت و آگہی کی پہچان اور پرکھ ہوگی۔

قرآن مجید نے ایسے ہی نتیجہ خیز علم رکھنے والوں کو "اَلرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ" یعنی ماہرِ فن اور بالغ نظر کہا ہے' جن کا علم پختہ' مکمل اور مؤثر ہے' وہ غرور و تکبر نہیں کرتے' فریبِ نفس میں مبتلا نہیں ہوتے' سرکشی کے بجائے خاکساری اختیار کرتے ہیں' اس خدا کی بندگی و فرماں برداری ہی ان کی روش ہوتی ہے جس نے انھیں علم کی توفیق دی اور علم کے ذریعے انسان کو دیگر مخلوقات حتیٰ کہ ملائکہ پر فضیلت بخشی' جب کہ خدا کے حکم سے بغاوت کرنے والے ابلیس کو' اس کے تمام دعوائے برتری کے باوجود' مردود قرار دیا' لہٰذا قرآن کے مطالعے سے حاصل ہونے والا علم تقویٰ کی اس دولت کا حامل ہوتا ہے جو دنیا میں ایک صحیح طور پر کامیاب زندگی کی واحد ضمانت ہے۔

قرآنی علم انسان کو کائنات کی وسعتوں اور نفس کی گہرائیوں کے ساتھ ساتھ دنیوی زندگی کی حدود اور الجھنوں سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ آگہی ایک ایسی بصیرت پیدا کرتی ہے جس سے آدمی اپنے آپ اور اپنے خدا دونوں کو پہچان لیتا ہے' پھر اسے اپنا مقصدِ حیات معلوم ہو جاتا ہے اور وہ دینِ فطرت پر پورے ایمان کے ساتھ اس کے بتائے ہوئے طریقے پر یکسوئی کے ساتھ عمل کرنے لگتا ہے' جس کے نتیجے میں دنیا سے آخرت تک سنور جاتی ہے۔ اس طرح علمِ قرآنی' انسان کو ایک عمدہ و اعلیٰ زندگی کا راستہ دکھاتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۹۷)

بقیہ بر صفحہ ۵۰

طبقۂ مترفین اور اسلام کا نظامِ عدل

مولانا گوہر رحمٰن

(۳)

(۴) زمینوں کے ارتکاز کا خاتمہ اور زرعی اصلاحات

پاکستان میں زمینوں کے بڑے بڑے رقبے چند بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کے قبضے میں آگئے ہیں۔ اس ارتکاز الاراضی کی وجہ سے بے شمار سیاسی ' معاشی اور معاشرتی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ اس لیے مصالح عامہ کے حصول اور مفاسدِ عامہ کے ازالے کے لیے زمینوں کے اس ارتکاز کو ختم کرنا اور زرعی اصلاحات کے لیے مؤثر اور نتیجہ خیز اقدامات کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

مارشل لاء ریگولیشن ۱۱۵ ' ۱۹۷۲ء اور زرعی اصلاحات کے ایکٹ نمبر ۲ ' ۱۹۷۷ء کے ذریعے مجموعی طور پر ۱۵٬۰۵۶ ' ۱۴ ایکڑ رقبہ لینے کا اعلان بھٹو حکومت نے کیا تھا اس سے قبل ایوب خان کے دورِ حکومت میں بھی زرعی اصلاحات کی گئی تھیں۔ لیکن ان اصلاحات میں شرعی احکام کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا ' اور زمینداروں کے تحفظ کے لیے چور دروازے بھی کھلے چھوڑ دیے گئے تھے۔ اس لیے ہم آج بھی دیکھ رہے ہیں کہ نہ زمینوں کا ارتکاز ختم ہوا ہے ' نہ اس ارتکاز کے سیاسی اور معاشی مفاسد کا ازالہ ہوا ہے ' اور نہ ملک کے تقریباً ایک کروڑ کاشتکاروں کو زمینداروں کے استحصال اور مظالم سے آزادی مل سکی ہے۔ بلکہ تمام مفاسد اور خرابیاں جوں کی توں موجود ہیں۔ مروّجہ زمینداری اور جاگیرداری کے مفاسد کے ازالے اور ارتکاز الاراضی کے خاتمے کا اسلامی طریقہ درج ذیل ہے:

۱۔ وہ تمام زمینیں بلا معاوضہ ضبط کر کے قابض کاشتکاروں میں مفت تقسیم کر دی جائیں جو انگریزوں یا سکھوں نے اپنے وفادار خاندانوں کو بطور رشوت دی تھیں۔ ایک کمیشن قائم کیا جائے جو اراضی کی تحقیق کرے اور پھر اس تحقیق پر شرعی احکام کے مطابق عمل کرے۔ اس کی ایک

دلیل یہ ہے کہ یہ جاگیریں ایک کافر حکومت نے دی تھیں اور کافر و غیر اسلامی حکومت کی دی گئی زمینوں کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ جاگیریں استحقاق کی بنیاد پر نہیں دی گئی تھیں۔ ان خان بہادروں نے نہ کوئی دینی خدمات انجام دی تھیں اور نہ کوئی عوامی اور قومی خدمات انجام دی تھیں جن کے صلے میں ان کو یہ زمینیں دی گئی ہوں۔ نہ یہ لوگ غریب تھے کہ ان کی غربت کو ختم کرنے کے لیے ان کی مدد کی گئی ہو۔ بلکہ یہ جاگیریں ان کو انگریزوں کی سامراجی اور کافرانہ حکومت سے تعاون کے بدلے میں دی گئی تھیں، جو رشوت کی تعریف میں آتی ہیں، اور رشوت کے ذریعے حاصل کردہ اموال کا ضبط کرنا حکومت کا فرض ہے۔ اگرچہ رسول اللہؐ اور خلفائے راشدینؓ نے لوگوں کو زمینوں کے عطیے دیے تھے، جن کی تفصیل ابو عبیدؒ کی کتاب الاموال، ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج اور یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج میں موجود ہے، لیکن ایک تو وہ اسلامی حکومت تھی، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ تمام زمینیں استحقاق کی بنیاد پر دی گئی تھیں، اور شرعی شرائط پوری نہ کرنے پر بعض عطایا واپس بھی لیے گئے تھے۔

یہاں پر یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ موجودہ زمینداروں کو تو یہ زمینیں اپنے باپ دادا سے میراث میں ملی ہیں۔ انگریزوں سے اگر لی تھیں تو ان کے باپ دادا نے لی تھیں، انھوں نے تو براہ راست انگریزوں سے نہیں لی تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میراث ملکیت میں جاری ہوتی ہے۔ جب ان کے باپ دادا کی ملکیت میں یہ جاگیریں آئی ہی نہیں تھیں بلکہ صرف ناجائز قبضے میں رکھی ہوئی تھیں، تو ان میں میراث کے احکام جاری ہی نہیں ہو سکتے۔ ان زمینداروں کا موجودہ قبضہ بھی غیر شرعی ہے اور ان کے باپ دادا کا قبضہ بھی غیر شرعی تھا۔ یہ قومی زمینیں ہیں جو سامراجی حکومت نے اپنے خان بہادروں کو بطور رشوت دی تھیں۔ اور ان کو اب قوم کے مستحقین میں تقسیم کر دینا چاہیے۔

۲۔ وہ تمام زمینیں قابض کاشتکاروں (دخیل کاروں) کی ملکیت میں دے دی جائیں جن کو ان کے باپ دادا نے آباد کیا تھا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ

مَنْ أَعْمَرَ أَرْضاً لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ۔ (بخاری فی المزارعۃ)

جس نے ایسی غیر آباد زمین کو آباد کیا ہو جس کا کوئی مالک نہ ہو تو وہی اس کا حقدار ہے۔

نیز رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "حد بندی اور نشان بندی کرنے والے کا تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے"۔ (کتاب الخراج، لابی یوسفؒ)

اس فرمانِ رسولؐ کے مطابق حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کر دیا تھا کہ

"جس شخص نے مردہ زمین کو آباد کیا ہو وہ اسی کی ہے اور نشان بندی کر کے قبضہ جمانے والے کا تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہو گا" (اگر اس نے اس مدت میں آباد نہ کی ہو) (الخراج لابی یوسف الخراج یحییٰ بن آدم)

اسی شرعی قانون کی رو سے حضرت عمرؓ نے قبیلہ مزینہ یا جہینہ کے کچھ لوگوں کی جاگیریں ضبط کر لی تھیں ' اور بلالؓ بن حارث مزنی کی جاگیر کا ایک وسیع رقبہ بھی اس سے واپس لے کر دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حالانکہ یہ زمینیں آباد کاری کے لیے رسول اللہ ؐ نے ان کو دی تھیں' مگر چونکہ خود رسول اللہ ؐ کا ارشاد ہے کہ تین سال کے بعد قبضہ نہ کرنے والے کا حق ختم ہو جاتا ہے اس لیے اس ارشاد کی تعمیل میں حضرت عمرؓ نے یہ زمینیں واپس لے لیں۔

موجودہ بڑے زمینداروں کے باپ دادا نے انگریزوں یا سکھوں کے الاٹ کردہ بڑے بڑے رقبوں کی حد بندی اور نشان بندی کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ کچھ زمینوں کو تو انہوں نے خود آباد کیا تھا یہ تو ان کی ملکیت بن سکتی ہیں اس لیے کہ جمہور فقہا کے نزدیک حکومت کی اجازت و الاٹ منٹ کے بغیر بھی جو شخص غیر آباد زمین کو آباد کر لے تو وہ اسی کی ہو گی لیکن باقی وسیع و عریض زمینوں کو ان خان بہادروں ' وڈیروں اور چودھریوں نے موجودہ قابضین کے باپ دادا کے ذریعے بطور مزارعت آباد کروایا تھا' لہٰذا مذکورہ سنتِ رسولؐ اور سنتِ خلافت راشدہ کے مطابق یہ زمینیں انہی کی ہیں جن کے باپ دادا نے ان کو مزارعین کی حیثیت میں آباد کیا تھا۔ مزارع تو وہ ہوتا ہے جس نے کسی مالک کی زمین بٹائی پر کاشت کی ہو یا کرائے پر لی ہو۔ جب نشان بندی کر کے قبضہ کرنے والوں کو ان زمینوں پر شرعاً" مالکانہ حقوق حاصل نہیں تھے تو وہ کاشتکاروں کو اپنے مزارعین کیسے کہہ سکتے ہیں۔ انگریزی اور سرکاری کاغذات میں کسی کو مالک لکھنے سے تو شرعی ملکیت ثابت نہیں ہو سکتی ۔ انگریز کے طاغوتی قانون میں بلا شبہ یہ ان کی ملکیت متصور ہوتی ہوں گی مگر بات شرعی قانون کی ہو رہی ہے۔

۳ ۔ بعض زمینیں ' کارخانے اور دوسری قسم کی جائیدادیں ایسی ہیں جن میں سالہا سال سے شرعی احکام کے مطابق وراثت جاری نہیں ہوئی ۔ ان مترفین نے خواتین کو میراث کے حق سے محروم کر دیا ہے حالانکہ شریعت نے ان کو یہ حق دیا ہے ۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جس نے کسی دوسرے وارث کا حق دبا لیا ہو تو اس پر اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اصل وارثوں کو نہ لوٹائی جائے اس وقت تک یہ ملکیت ناجائز ہی رہے گی ۔ ایسی تمام جائیدادیں بھی اصل مالکوں یا ان کے وارثوں کو دینا لازم ہے ' اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ضبط کر کے مستحقین میں تقسیم کر دی

جائیں جیسا کہ تمام ناجائز املاک کے بارے میں شریعت کا حکم ہے۔
۳۔ اس نوعیت کی زمینیں بھی کافی مقدار میں موجود ہیں جو اصل میں کسی اور کی ملکیت تھیں مگر ظالم زمینداروں نے ان پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا ہے' یا مالکوں کو دھوکہ دے کر قبضہ کر لی ہیں۔ ان کو بھی اصل مالکوں یا ان کے وارثوں تک پہنچانا ضروری ہے' ورنہ پھر نادار لوگوں میں تقسیم کرنا ہوں گی۔ ناجائز زمینوں کے ضبط کرنے کے بارے میں سپریم کورٹ کے اپیل بنچ کا فیصلہ بھی موجود ہے' جسے جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی نے لکھا ہے اور دوسرے ججوں نے اس سے اتفاق کیا ہے (پی ایل ڈی ۱۹۹۰ء ص ۱۸۵ پیراگراف ۵۷ ص ۲۴۲ پیراگراف ۱۳۵ ص ۲۴۳ پیراگراف ۱۵۰' ۱-۲)

(۵) تحدیدِ ملکیت

پانچواں اصول تحدیدِ ملکیت ہے اس اصول کے نفاذ میں کچھ تفصیلات ہیں جن کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔ اگر ناجائز زمینوں کی ضبطی کے بارے میں مذکورہ بالا احکام پر عمل کیا جائے تو میرے اندازے کے مطابق پاکستان میں تحدیدِ ملکیت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی' اس لیے کہ بڑے بڑے زمینداروں کی زمینوں کا بہت بڑا حصہ ناجائز ہے جو بلا معاوضہ ضبط کرنا حکومت کا فرض ہے۔ ان کی ضبطی کے بعد ارتکاز الاراضی کافی حد تک ختم ہو جائے گا' اور جاگیرداروں کی راجدھانیاں بھی ختم ہو جائیں گی۔ لیکن پھر بھی حلال ذرائع سے حاصل کردہ زمینیں بعض اوقات بہت زیادہ ہو سکتی ہیں۔ اس لیے تحدیدِ ملکیت کی جائز اور ناجائز صورتوں کی بقدرِ ضرورت تفصیلات پیش کرنا مفید ہو گا۔

الف۔ مستقل تحدیدِ ملکیت

حکومت کی جانب سے ملکیت کی ایک "مستقل حد" مقرر کرنا اور "مستقل قانون" بنا دینا کہ اس حد سے زائد کوئی چیز نہ ملکیت میں لائی جا سکے گی اور نہ ملکیت میں رکھی جا سکے گی' تحدید کی یہ صورت تو جائز نہیں ہے' اس لیے کہ اسلام نے جائز ملکیت پر کوئی حد عائد نہیں کی اور اللہ کی حلال کردہ چیز کو مستقل طور پر ممنوع قرار دینے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ اس کے عدم جواز کے ثبوت میں درج ذیل آیات پر غور فرمایئے!

اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ ان پاک چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو' بے شک حد سے تجاوز کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا

(المائدہ ۵ : ۸۷)

کہہ دو ! کہ ذرا بتاؤ تو سہی کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا ہے پھر تم نے اس میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال بنا ڈالا ! کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو (یونس ۱۰ : ۵۹)

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانا ' اور مستقل طور پر ممنوع قرار دینا ' حد سے تجاوز کرنا ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔اس نوعیت کی مستقل تحدیدِ ملکیت کے لیے نہ کوئی آیت موجود ہے ' نہ کوئی حدیث ' نہ خلافتِ راشدہ کی سنت اور نہ کسی فقیہ کا فتویٰ۔ یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔

ب – عارضی تحدیدِ ملکیت

تحدیدِ ملکیت کی دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کی جائز ملکیتوں کو تو بحال رکھا جائے ' مگر مصلحتِ عامہ کی خاطر یا غیر محدود ملکیتوں کے مفاسد کے سدِ باب کی خاطر ' ایک محدود مدت کے لیے یہ قانون بنا دیا جائے کہ کوئی بھی شخص اس محدود مدت تک فلاں چیز ' مثلاً زرعی زمین ' کارخانہ ' کرائے کے مکان اور دکان ' رہائشی مکان ' ٹرک اور بس یا دوسری اشیاءِ استعمال یا ذرائع آمدن ' ایک مقررہ حد سے زائد اپنی ملکیت میں نہیں لا سکے گا۔ تو اس نوعیت کی تحدید اور پابندی حلال کو حرام کرنا نہیں ' یہ ایک مباح فعل پر ' یا مباح چیز پر "جلبِ مصلحتِ عامہ" اور "دفعِ مضرتِ عامہ" کی خاطر عارضی طور پر پابندی لگانا ہے ۔ اسلامی حکومت کی مجلسِ شوریٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسی پابندی لگا دے۔ البتہ کسی فرض اور واجب پر پابندی لگانا جائز نہیں ہے۔ مگر ملکیت میں ضرورت سے زیادہ اضافہ کرنا فرض اور واجب تو نہیں ہے ' بلکہ صرف مباح ہے ' اور تحدید کا ایسا حکم اور قانون' معصیت کے ارتکاب یا ترکِ واجب کا حکم اور قانون نہیں ہو گا جس کی اطاعت جائز نہ ہو۔ یہ مصلحتِ عامہ کے حصول کے لیے اور مفسدہ عامہ کے سدِّ باب کے لیے ایک امرِ مباح پر پابندی ہے جس کی اطاعت واجب ہے ' بشرطیکہ حکومت اسلامی ہو اور تحدید کا فیصلہ اس کی مجلسِ شوریٰ نے کیا ہو۔ لیکن ملکیت میں مجلسِ شوریٰ کی مقررہ حد سے ' اضافہ اگر وراثت میں حاصل کردہ مال کی وجہ سے ہوا ہو تو وہ مستثنیٰ ہو گا۔ اس کی دلیل وہ تمام آیات و احادیث ہیں جن میں اولو الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ۔

اسی اصول کی بنا پر فقہا نے لکھا ہے کہ :

حاکم اگر کسی شہر کے باشندوں کو مہنگائی یا وبا کی وجہ سے کچھ دن تک روزہ رکھنے کا حکم

دے تو اس حکم کی تعمیل امیر کے حکم کی وجہ سے عوام پر واجب ہے (اس لیے کہ امیر کی اطاعت ان چیزوں میں واجب ہے جو معصیت نہ ہوں) (تکملہ رد المختار ج ۲ ص ۵۴ ' ونحوہ فی رد المختار ج ا ص ۷۹۴ باب الاستسقاء)

لیکن اس قسم کے حکم کے لیے شرط یہ ہے کہ امیر کا یہ حکم مصلحتِ عامہ پر مبنی ہو ویسے ہی تنگ کرنے کے لیے نہ ہو۔ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ

تصرّف الامام منوط بالمصلحتہ (الاشباہ لابن نجیم ج ا ص ۱۵۷ والمجلہ دفعہ ۵۷)

حکمران کا رعیت پر تصرف اور حکم مصلحت کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔

مصلحتِ عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی کے وسائل کا محدود ہاتھوں میں ارتکاز نہ ہو بلکہ منصفانہ تقسیم اور گردش جاری رہے' اور عوام الناس کو باعزت طریقے پر روزی کمانے کے مواقع میسر ہوں' اور کوئی شخص ان کا استحصال نہ کر سکے۔ اموال بنو نضیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ "تاکہ یہ مال تمہارے اغنیا ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے"۔ یہ آیت اگرچہ مالِ فئی سے متعلق ہے لیکن قاعدہ یہ ہے کہ شریعت کے کسی حکم کی علت و مصلحت جب آیت یا حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہو ' (علت منصوصہ ہو) تو حکم کا دار و مدار اس مصلحت پر ہوتا ہے۔ اس قاعدے کی رو سے محققین نے اس آیت سے استنباط کیا ہے کہ اسلام سرمایہ اور وسائلِ رزق کے اجتماع و ارتکاز کو پسند نہیں کرتا بلکہ تقسیم اور گردش کو پسند کرتا ہے۔ لہٰذا منصفانہ تقسیم کی مصلحت کے لیے اور ارتکاز کے سیاسی و معاشی مفاسد اور استحصال کے سدِ باب کے لیے اگر حکومتِ عادلانہ اس قسم کی عارضی اور وقتی تحدیدِ ملکیت کا قانون نافذ کرے تو اس کی اطاعت عوام پر واجب ہو گی۔

ج - تحدیدِ ملکیت بذریعہ جبری خریداری

تحدیدِ ملکیت کی تیسری صورت یہ ہے کہ جائز املاک کی ایک حد مقرر کر دی جائے ' اور اس مقررہ حد سے زائد مارکیٹ نرخ پر معاوضہ دے کر زبردستی خرید لی جائیں ' اور پھر بے زمین کاشتکاروں کو قیمت لے کر یا مفت دے دی جائیں ' (جیسے بھی حالات اور بیت المال کی گنجائش کا تقاضا ہو) ' اور آئندہ کے لیے مقرر حد سے زائد املاک خریدنے پر کچھ مدت تک پابندی لگا دی جائے۔ اس سلسلے میں شریعت کا اصل حکم تو یہی ہے کہ مالک کی رضامندی کے بغیر اس کی کوئی چیز جبراً خریدنا جائز نہیں ہے۔ قرآن کریم کا واضح حکم ہے کہ تجارت (بیع و شراء) باہمی رضامندی سے ہونی چاہیے (النساء ۴ : ۲۹) رسول اللہ ؐ نے بھی فرمایا ہے کہ انما البیع عن تراض "خرید و

فروخت تو باہمی رضا مندی ہی سے ہو سکتی ہے" (ابن ماجہ فی التجارت) لیکن شخصی ضرورت یا قومی یا عوامی ضرورت کے وقت بقدر ضرورت جبری خریداری کی بھی اجازت ہے۔ شخصی ضرورت یا چند اشخاص کی ضرورت کی ایک مثال درج ذیل حدیث میں بیان ہوئی ہے'

عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ ہم نے نبی کریمؐ سے عرض کی کہ آپ ہمیں جب کسی مہم پر بھیجتے ہیں تو ہم کبھی ایسے لوگوں کے پاس بھی ٹھہرتے ہیں جو ہماری مہمان داری نہیں کرتے تو اس کے بارے میں آپؐ کی ہدایت کیا ہے؟ تو رسول اللہؐ نے فرمایا جب تم کسی قوم کے پاس ٹھہرو اور وہ تمہیں وہ کھانا پیش کریں جو عادتاً" مہمان کو دیا جاتا ہے تو اسے قبول کرلو (یعنی زیادہ یا اچھا کھانا طلب نہ کرو) اور اگر وہ ایسا نہ کریں' تو تم ان سے مہمان کا حق لے لو (یعنی ضرورت کی حد تک ان سے کھانا لے لو) (صحیح بخاری کتاب المظالم "کتاب الادب)

سنن ترمذی میں لفظ لذھا بھی آیا ہے یعنی ان سے زبردستی لے لو ------ (ترمذی فی السیر)

امام احمدؒ اور لیث بن سعدؒ نے اس حدیث کی یہ توجیہہ کی ہے کہ ضیافت واجب ہے' اور ضرورت کے وقت مہمان حقِ ضیافت جبراً وصول کر سکتا ہے۔ مگر جمہور کی رائے یہ ہے کہ ضیافت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے' اور اس حدیث کی توجیہہ یہ کی ہے کہ یہ اضطراری حالت کے بارے میں ہے جس میں بقدرِ ضرورت کھانا زبردستی بھی لیا جا سکتا ہے۔ ابن حجرؒ نے اسی توجیہہ کو ترجیح دی ہے اور مشہور و معروف توجیہہ بھی یہی ہے۔ لیکن امام ترمذیؒ نے اس حدیث کا مفہوم یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر وہ لوگ جبر کیے بغیر کھانا قیمتاً دینے سے بھی انکار کر دیں تو پھر ان سے زبردستی خرید لو! قاضی ابوبکر بن العربیؒ نے بھی ترمذی کی توجیہہ کو ترجیح دی ہے' اور لکھا ہے کہ جب کچھ لوگ بھوکے ہوں اور کچھ اور لوگوں کے پاس کھانا موجود ہو تو ان پر یہ کھانا بیچنا لازم ہے' اگر وہ بیچنے کے لیے بھی تیار نہ ہوں تو ان سے زبردستی خریدا جا سکتا ہے۔(عارضۃ الاحوذی فی السیر ج ۷ ص ۸۷)

یہ تو شخصی ضرورت کی مثال تھی قومی اور عوامی ضرورت کی مثال یہ ہے'

۱۷ھ میں جب مسجدِ حرام کی توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اردگرد کے گھر خرید کر منہدم کروا دیئے۔ کچھ لوگوں نے بیچنے سے انکار کر دیا چنانچہ ان کے گھروں کی قیمتیں کعبے کے خزانے میں رکھ دی گئیں اور بعد میں مالکوں نے لے لیں۔

۲۶ھ میں جب دوبارہ مسجدِ حرام کی توسیعِ مزید کی ضرورت پڑی تو حضرت عثمانؓ نے مزید

گھر خرید کر منہدم کروا دیئے۔ بعض لوگوں نے جب جبری خریداری پر احتجاج کیا تو ان کو قید کرنے کا حکم دے دیا (تاریخ مکہ للازرقی طبع مکہ ۱۴۰۳ھ ' ج ۲ ص ۶۸ - ۶۹)

خلافتِ راشدہ کی اسی سنت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ نے لکھا ہے کہ اگر جنگ کے دوران گھوڑے کی ضرورت پیش آئے اور گھوڑے کا مالک اپنا گھوڑا دینے کے لیے تیار نہ ہو تو امیر یہ گھوڑا زبردستی لے سکتا ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ امیر کو مسلمانوں کے معاملات کا نگران بنایا گیا ہے اس لیے اس کے لیے جائز ہے کہ ضرورت کے وقت کسی کا مال قیمت دے کر لے لے (شرح السیر الکبیر ج ۲ ص ۲۴۵)

علامہ علاء الدین "در مختار" میں لکھتے ہیں کہ "اگر مسجد نمازیوں کے لیے تنگ ہو گئی ہو تو اس کی توسیع کے لیے قریب کی زمین یا گھر یا دکان قیمت دے کر زبردستی خریدے جا سکتے ہیں" (مجموعہ شامی ج ۳ / ۴۲۱) فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ "فقہا نے کہا کہ حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ضرورت کے وقت کسی کی ملکیت کو عوامی راستے میں شامل کر دے (فی الزکوٰۃ فصل فی احیاء الموات) یہی بات خلافتِ عثمانی کے مدوّن کردہ قانون میں بھی مذکور ہے (المجلہ للاحکام العدلیہ دفعہ ۱۲۱۶)

عوامی ضرورت پوری کرنے کے لیے جبری خریداری کی ایک مثال یہ ہے کہ "اگر کسی تاجر نے گراں فروشی کی غرض سے اشیاء ضرورت کی ذخیرہ اندوزی کر رکھی ہو (احتکار کر لیا ہو) تو قاضی اسے حکم دے گا کہ اپنی اور اپنے زیرِ کفالت لوگوں کی ضرورت سے زائد چیزیں مارکیٹ میں لا کر فروخت کر دو اگر وہ ایسا نہ کرے تو قاضی ان اشیاء کو مالکوں کی طرف سے جبراً فروخت کر سکتا ہے" (اس لیے کہ عوامی مفاد شخصی مفاد پر مقدم ہے اور حکومت عوامی مفاد کے تحفظ کی ذمہ دار ہے)(بدائع الصنائع از کاشانی ج ۵ ص ۱۲۹ ' رد المختار ج ۵ ص ۲۸۲ ' الاختیار ج ۴ ص ۱۶۱ کتاب الکراھیتہ)

مسجد کی توسیع ' راستوں کی توسیع اور خوراک کی فراہمی عوامی ضرورت کی چیزیں ہیں جن کے لیے خلاف راشدہ کی سنت کی روشنی میں فقہا نے جبری خریداری کی اجازت دی ہے ' اس نوع کی دوسری عوامی ضروریات مثلاً قبرستان' ہسپتالوں ' تعلیمی اداروں ' فوجی چھاؤنیوں اور سرکاری دفاتر کے لیے بھی جبری خریداری کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح بے زمین کاشتکاروں کو روزگار فراہم کرنا بھی میری رائے میں عوامی ضرورت ہے اس کے لیے جبری خریداری کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

د - عوامی حاجت اضطرار کا درجہ رکھتی ہے

یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کسی کی جائز ملکیت قیمتاً یا بلا قیمت (حالات کے مطابق) لینا اضطرار کی حالت میں تو جائز ہے، مگر عوامی حاجت تو اضطرار کی تعریف میں نہیں آتی۔ "اضطرار" کی تعریف فقہا نے اس طرح کی ہے کہ:

کسی کا ایسی حد تک پہنچنا کہ اگر وہ کسی ممنوع چیز کو حاصل نہ کرے تو وہ مرجائے گا یا مرنے کے قریب پہنچ جائے گا (الاشباہ ج ۱ ص ۱۱۹)

اور حاجت کی فقہی اور قانونی تعریف یہ ہے کہ:

کوئی شخص سخت مشقت اور تکلیف کی حالت میں ہو مگر وہ مشقت اور تکلیف ایسی ہو کہ اگر وہ شخص کسی ممنوع چیز کو حاصل نہ کرے تو اس کے مرنے یا قریب الموت ہونے کا خطرہ نہیں ہو گا (الاشباہ ج ۱ ص ۱۱۹)

"حاجت" اور "ضرورت" (اضطرار) کے اس فرق سے معلوم ہوا کہ مسجدوں اور راستوں کی توسیع، عوام کو مصنوعی منگائی سے بچانا، اور عوام کو روزگار فراہم کرنا عوامی حاجت تو ہے مگر اضطرار نہیں ہے۔ پھر ان حاجات کو پوری کرنے کے لیے جبری خریداری کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب فقہا کرامؒ نے یہ دیا ہے کہ:

الحاجۃ العامّۃ تنزل منزلۃ الضّرورۃ الخاصّۃ فی حق احاد الناس (القواعد للزرکشی ج ۱ ص ۲۴ والمجلہ دفعہ ۳۲)

عوامی حاجت اس شخصی ضرورت و اضطرار کے قائم مقام ہے جو افراد کو پیش آتا ہے۔

عوام کو اور لاکھوں بے زمین کسانوں کو اس تکلیف و مشقت سے نکالنا جس میں یہ آج مبتلا ہیں، اور ان کو کاشت کے لیے زمینیں فراہم کرنا، اسی طرح وسائل رزق پر چند خاندانوں کی اجارہ داریاں ختم کرانا، وہ "عوامی حاجت" ہے جو "شخصی" کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی بنیاد پر تحدیدِ ملکیت بذریعہ جبری خریداری کا قانونِ اضطرار بنانے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

ھ - قاعدۂ سدِّ ذریعہ

اس فقہی اور شرعی قاعدے کا مفہوم یہ ہے کہ "ایک مباح اور جائز چیز، بلکہ مستحب چیز بھی جب فساد، ظلم اور شرعاً ناجائز کام کا ذریعہ بن رہی ہو یا گمان غالب یا یقین ہو کہ یہ اس کا ذریعہ بن جائے گی، تو وہ چیز یا کام قابلِ ترک ہو جاتا ہے، تاکہ خرابی کا چور دروازہ بند کر دیا جائے"۔

(المقدمات لابن رشد الکبیر ج ۲ ص ۹۸، قرطبی ۲ ص ۵۷ - ۵۸، اعلام الموقعین ج ۳ ص ۱۴۷ - ۱۴۸)

مالکی اور حنبلی فقہ میں اس قاعدے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ
"خرابی اور برائی کے راستوں کو بند کرنا اور ان پر پابندی لگانا شریعت میں مطلوب ہے، اور یہ شریعت کے قطعی اصول میں سے ہے" (الموافقات ج ۳ ص ۶۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس قاعدے کی ۳۰ مثالیں پیش فرمائی ہیں (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳ ص ۱۴۰ تا ۱۴۵) اور حافظ ابن قیمؒ نے اس کی ۹۹ مثالیں دی ہیں اور مفصل تشریح کی ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۱۴۷ تا ۱۷۱)

اس فقہی قاعدے کی بنیاد پر بھی مقررہ حد سے زائد زمینیں اور عوامی ضرورت کے دوسرے املاک زبردستی خرید کر مستحقین میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں، اس لیے کہ یہ زمینداریاں آج ظلم و استحصال اور سیاسی و معاشی خرابیوں کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ ہمارا معاشرہ دو طبقوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ ایک طبقہ زمینداروں، جاگیرداروں اور صنعت کاروں کا ہے جس نے اپنے حربفانہ اور استحصالی ہتھکنڈوں کے ذریعے کروڑوں عوام پر معاشی، معاشرتی اور سیاسی فوقیت اور برتری حاصل کر لی ہے۔ دوسرا طبقہ کسانوں، کاشتکاروں، ہاریوں اور زرعی و صنعتی مزدوروں کا ہے جو پس ماندہ، خستہ حال اور پسا ہوا ہے۔ معاشرتی اعتبار سے یہ طبقہ بے وقعت اور حقیر بنا دیا گیا ہے، معاشی طور پر یہ طبقہ محروم ہے، اور سیاسی طور پر محکوم ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ نہ کسانوں اور ہاریوں کو ان کی محنت کا صلہ عدل کے مطابق ملتا ہے اور نہ زرعی اور صنعتی مزدوروں کو ان کا عادلانہ حق ملتا ہے۔ کسانوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان پر بٹائی کے معاملے میں ایسی شرطیں عائد کی جاتی ہیں جو شرائطِ فاسدہ ہیں، اور بیگار کی تعریف میں آتی ہے۔ ان سے معاشی آزادی ہی نہیں چھینی جاتی بلکہ "رائے دہی" کی آزادی بھی سلب کر لی جاتی ہے۔ اگر مزارعین اور مزدوروں نے مالکان کی خواہش پر ووٹ نہ دیے ہوں، تو نہ صرف یہ کہ ان کو روز گار سے محروم اور زمینوں سے بے دخل کر دیا جاتا ہے بلکہ دوسرے مظالم بھی ڈھائے جاتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جاگیرداروں اور زمینداروں کی حیثیت ہمارے ملک میں آقاؤں کی ہے، اور کسانوں کی حیثیت ان کے زر خرید غلاموں کی۔

یہ ہے وہ ظلم و فساد جس میں پاکستان کے لاکھوں کسان مبتلا ہیں۔ یہ سب کچھ ایک محدود طبقہ اپنی جاگیروں اور غیر محدود املاک کی قوت پر کر رہا ہے۔ اگر ان کی اس قوت کو کم کر دیا جائے تو

مظالم کا سدِّ باب ہو جائے گا۔ تو قاعدۂ سدِّ ذریعہ کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم و استحصال کے ان ذرائع کو محدود کر دیا جائے اور جبری خریداری کے ذریعے یہ تحدید کر دی جائے۔

مگر اس بارے میں اسلامی حکومت کی مجلسِ شوریٰ شرعی احکام و شرائط کو ملحوظ رکھ کر اور حالات کا صحیح جائزہ لے کر باقاعدہ قانون بنائے گی ' اور حکومت اسے نافذ کرے گی۔ مجلسِ شوریٰ کے فیصلے اور قانون سازی کے بغیر انتظامیہ کو اپنی صوابدید پر من مانیاں کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ مگر دوبارہ یاددہانی کراتا ہوں کہ تحدیدِ ملکیت کی یہ ساری بحث ان زمینوں یا دوسرے املاک کے بارے میں ہے جو حلال ذرائع سے حاصل کیے گئے ہوں مگر ظلم و فساد کا ذریعہ بن رہے ہوں۔ ورنہ وہ املاک جو حرام ذرائع سے حاصل کیے گئے ہوں وہ تو سب کے سب بلا معاوضہ ضبط کرنا حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ ہمارے ملک کے بڑے بڑے زمینداروں کی زمینوں کا اکثر حصہ حرام ہے اسے ضبط کرنے کے بعد مزید تحدید کی ضرورت باقی نہیں رہے گی ' اور ان کی راجدھانیاں ختم ہو جائیں گی۔ مگر اس کے باوجود کہ یہ امکان بہر حال موجود ہے کہ حلال ذرائع سے حاصل کردہ زمینیں اور جائیدادیں بھی کسی مخصوص طبقے میں سمٹ کر رہ جائیں ' اور اس ارتکاز و اجتماع کی بنا پر عوام کو شدید مشقت اور دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو تو پھر "عوامی حاجت" اور "قومی مصلحت" کے حصول کی خاطر "ظلم و فساد کے سدِ باب" کی خاطر یعنی "جلبِ منفعت" اور "دفعِ مضرت" کے لیے ایک حد مقرر کر کے اس سے زائد املاک معاوضہ دے کر لیے جا سکتے ہیں۔ ——— واللہ یقول الحقّ وھو یھدی السّبیل

(جاری ہے)

بچے دو ہی اچھے ---- کیوں؟

نعیم صدیقی

اس معاملے میں لوگوں کی رائیں بڑی مختلف ہیں۔ لیکن ایسے بے شمار لوگ محکمہ فیملی پلاننگ (یا بہبودِ آبادی) کی طرح اخباروں میں اشتہار نہیں دے سکتے' نتیجہ یہ کہ پروپیگنڈا (زیادہ تر سرکاری + کسی قدر جدید طبقے کا) کے سیلاب کی لہریں سب کی ٹھوڑیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ فلم سے' ٹیلی ویژن سے' اخبارات سے' تقاریر سے' طبی اور معاشرتی مسائل سے متعلق محکموں کے کارندوں کے ذریعے' استادوں اور طلبہ نیز استانیوں اور زیر تعلیم لڑکیوں کے ذریعے' خود نصابی کتب' ان کی تشریحات اور امتحانی پرچوں کے ذریعے چاروں طرف ایسی لہریں امڈتی ہیں کہ جن کا اصل ہدف "ملا" ہوتا ہے۔ وہ آڑے نہ آئے اور فنڈا مینٹلزم کی بجلیوں کی بوچھاڑ نہ کرے تو سب ٹھیک ہو جائے۔ جی ہاں وہ سارے رنگا رنگ کرتوت "ملا" ہی کے ہیں جن کا مظاہرہ تقریباً" ۴۵ سال سے حکومتوں نے کیا ہے اور آج ہماری کشتی انہی کے عنایات سے جعفر زٹلی کی کشتی بن گئی ہے کہ

درمیانِ قعرِ دریا کشتیٔ جعفر زٹل
ڈبکوں ڈبکوں می کند بایک دو دھکا پار کن

تھوڑی دیر کے لیے ملاؤں اور علمائے کرام اور اسلامی نظریاتی کونسل سب کو درکنار رکھیے۔ آپ بھی ذرا فرنگیانہ افکار کی گداگری کا کاسہ گلے سے الگ کر کے ایک طرف ڈالیے۔ آیئے اب ہم اس مسئلے کے صرف چند پہلوؤں پر عام اوسط انسانوں کی طرح غور کرتے ہیں۔ مثلاً

چند سوال

۱۔ اگر آپ نے بھارت میں پچھلے سو سال میں زور دار فیملی پلاننگ کی ہوتی تو شاید پاکستان نہ بن سکتا۔ مثلاً ۴۰ کروڑ آبادی میں آپ ۵ یا ۳ کروڑ ہوتے۔

۲ ۔ اگر افغانستان میں گزشتہ پچاس سال سے فیملی پلاننگ کا زور ہوتا تو جہادِ افغانستان کا رخ دوسرا ہوتا۔ بلکہ جہاد شاید ہوتا ہی نہ ' اور روس ہمارے سر پر چھاؤنیاں بنا لیتا۔

۳ ۔ اگر روس کے زیرِ تسلّط ریاستوں میں بڑی بڑی مسلم اکثریت کی ریاستیں نہ ہوتیں اور مسلسل ۵ نسلوں تک الحاد کے رولر پھرنے کے باوجود اسلامیت کی روح اپنے اندر محفوظ نہ رکھ سکتیں تو آج بھی وہ عیسائیوں یا روسیوں کی غلامی میں جکڑی ہوئی ہوتیں۔ بصورتِ دیگر امریکہ ' اسرائیل اور بھارت ان کو نوالہ بنا کر ہضم بھی کر چکے ہوتے۔ پھر جتنا قتلِ عام روسی مسلمانوں کا ہوا ہے اس کے باوجود ان کی رفتارِ نسل افزائی اتنی زور دار رہی کہ روسی اس اندیشے میں تھے کہ چند سال بعد خالص روسی آبادی اقلیت میں ہو جائیگی۔

۴ ۔ اگر فلسطینی عرب مسلمانوں کی سائنٹیفک نسل کشی پہلے سے ہو چکی ہوتی تو آج یہ منظر نہ ہوتا کہ نہتے فلسطینی اور کچھ ہتھیار بند چھاپہ مار بھی صف اوّل میں لڑتے لڑتے ختم ہو جاتے ہیں تو صف دوم اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ وہ ختم ہوتی ہے تو اور صف آجاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہودی آباد کار اپنے عشرت کدوں اور آزاد ریاست میں بھی ہر وقت ہلاکت یا کسی اچانک حملے کے خوف میں گھرے ہوئے ہیں۔ خوف کی حالت اگر ہر دم مسلّط رہے تو وہ قوموں کو روگ لگا دیتی ہے۔ اگر فلسطینی عربوں کی نسل افزائی کی رفتار تیز نہ ہوتی تو اسرائیلی ریاست پہلے دس سال ہی میں ان کا قصّہ چکا دیتی۔ اور آپ کو آزادی پسند یا گوریلا مجاہد فلسطینی کہیں دکھائی نہ دیتا۔

۵ ۔ اگر کشمیر کے مسلمان بھاری اکثریت کے ساتھ ریاست میں نہ ہوتے تو یہ سوال ہی نہ اٹھتا کہ وہ بھارت سے علیحدگی کا خیال بھی کر سکتے۔ بلکہ غیر مسلم اکثریت کی صورت میں وہ علیحدگی اور پاکستان سے الحاق کی آواز بھی بلند نہ کر سکتے' کجا یہ حال کہ اب وہ بھارت سے نجات پاکر پاکستان میں شامل ہونے کے لیے انتہا درجہ کی قربانیاں دیتے ہوئے جہاد کر رہے ہیں۔ وہ بھارت کا اٹوٹ انگ نہیں رہنا چاہتے' بلکہ اس سے نجات چاہتے ہیں۔

۶ ۔ امریکہ والے (اور مغرب کی ساری عیسائی دنیا) یہ سوچ سوچ کر گھلے جا رہے ہیں کہ روسی مسلم ریاستیں اور کشمیر' پھر پاکستان' افغانستان اور ترکی' دوسری طرف سوڈان اور الجیریا اور الجزائر' لیبیا' شام اور شرق اردن (عراق کو تو پیس ڈالا گیا ـــــ اسرائیل کی خاطر) کے مسلمان جب ایک یا دو بلاکوں میں جمع ہو جائیں گے تو خواہ یہ ہزار پسماندہ ہوں' ان کی محض آبادی کی قوت اگر دنیا کو لوٹنے والے سرمایہ دار ممالک پر ٹوٹ پڑی تو مغربی تمدن' جمہوریت' کلچر' سرمایہ اور

سائنس و ٹیکنالوجی ان کے بچاؤ کا ذریعہ نہ بن سکیں گے۔ چنانچہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے وہ اپنی جیب سے ہمیں "نسل گھٹاؤ" تحریک کے لیے سرمایہ دے رہے ہیں اور احسان ہم پر رکھتے ہیں کہ ہمارا فلسفہ نہ مانوگے تو زندہ نہ رہ سکو گے۔

۷ - پاکستان میں بسنے والی اقلیتیں، خصوصاً" عیسائی ، ہندو، قادیانی، اسماعیلی اور شیعہ وغیرہ تو اپنی نسل افزائی تیز رفتار سے کرتے رہیں اور حکومت مسلم اکثریت کو نشانہ بنا لے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ کچھ سالوں میں اقلیتوں کی مجموعی تعداد ہم سے بڑھ جائیگی اور ہم اپنے ہی تشکیل کردہ ملک میں اقلیت بن کر پاکستان بنانے کی سزا بھگتیں گے۔

۸ - دلچسپ صورت حال یہ ہے کہ خود امریکہ میں کالا سیلاب تیزی سے چڑھ رہا ہے۔ کالوں (خصوصاً" مسلم حصہ) کا کہنا یہ ہے کہ چند ہی برس بعد ہماری تعداد یہودیوں سے بڑھ جائیگی اور ہم اپنے ووٹوں کے زور سے صدر کے انتخاب اور پالیسیوں پر اثر انداز ہو سکیں گے۔ یہ ہے نسلی عددیت کی قوت۔ وہ جو معرکہ اسلحہ یا روپیہ کے یا قانون کے ذریعے نہیں جیت سکتے، اسے وہ اپنی آبادی کی کثرت کے ذریعے سر کریں گے۔ اور وہ پوری خود اعتمادی (self confidence) کے مقام پر ہیں۔

۹ - فیملی پلاننگ کے کچھ قدرتی قوانین بھی ہیں۔ زیادہ دولت مندوں کے ہاں اولاد کم ہوتی ہے (کچھ استثنٰی بھی ہیں)، غریب طبقوں میں اولادیں زیادہ ہوتی ہیں، خصوصاً" جن علاقوں یا خاندانوں میں دق اور اس قسم کی بیماریاں زیادہ ہوں اور اوسط عمر کم ہوتی ہو، ان میں توالد و تناسل کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ پڑھے لکھے لوگوں کو اپنے طلسماتی تخمینوں سے ایک فلسفہ کی تعلیم دے لیں گے، مگر جاہل اور ان پڑھ طبقوں میں اس قسم کی بات کریں گے تو وہ کانوں پر ہاتھ رکھ لیں گے کہ "باز آئے محبت سے، اٹھا لو پاندان اپنا۔" یعنی وہ اس موضوع پر بات کرنا ہی ناپسند کرتے ہیں، نیز خدائی نظام میں اتنی بڑی مداخلت (آبادی کی کمی بیشی) کو گناہ سمجھتے ہیں۔ چاہے وہ زبان سے کچھ نہ کہیں۔

۱۰ - متوسط طبقہ کا نچلا غریب حصہ ایک اور وجہ سے فیملی پلاننگ کے چکر میں پھنستا ہے۔ مثلاً میاں بیوی نے بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اگر اس مرتبہ ہم گود خالی رہنے دیں تو ہم ایک ٹیلی ویژن خرید سکتے ہیں۔ یعنی ترازو پر ایک طرف بچہ رکھیے، دوسری طرف ٹیلی ویژن، تو پروپیگنڈے کے مارے ہوئے میاں بیوی ٹیلی ویژن اٹھا لیں گے۔ اور قیمت میں ایک بچہ دے دیں گے۔ اسی طرح معیارِ زندگی کے طلسم نے یہ صورت پیدا کر دی ہے کہ یا بچہ لے لو یا ٹیلی ویژن یا ڈیپ فریزر یا

فرج یا اے سی یا قالین اور صوفہ۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر معیارِ زندگی کو ایک قوم کی حقیقی پیداوارِ دولت سے زیادہ اونچا جانے ہی کیوں دیا گیا؟ اس کی ذمہ داری طبقۂ امراء پر ہے یا پھر حکومت پر کہ وہ کیوں نہ قوم میں سادہ معیار رائج اور برقرار رکھ سکی۔ یہ ہمارے مترفین (نشاط پسند) طبقے ہیں جنھوں نے معیارِ زندگی بڑھایا اور پھر اس نصب العین کی گیند کو لڑھکا کر ساری قوم کو اس کے پیچھے دوڑا دیا۔ اس پاگل پن کی دوڑ میں مردوں کی پگڑیاں اور عورتوں کے آنچل' بابو جی کی ٹائی اور ہیٹ اور ملا صاحب کی عبا و قبا سب اڑی چلی جا رہی ہیں۔ شرم' حیا' تمیز حلال و حرام' حُبِّ وطن' روشنیٔ ایمان' ضمیر و امانت' عدل و انصاف' شرافت کی قدریں سب غارت ہو رہی ہیں۔

بڑا مسئلہ تو یہ ہے' نہ کہ "بچے دو ہی اچھے"۔ بچے دو ہو کر بھی اگر ایمان دار نہ ہوئے اور معیار پرست اور دولت پرست ہوئے تو کیا حاصل؟ ایک بھی نہ ہوتا تو اچھا تھا۔

۱۱- کیا وجہ ہے کہ وہ اربوں روپے جن کے فیملی پلاننگ پر خرچ کیے جانے کا اعلان ہو رہا ہے اور وہ اربوں روپے جو پاکستان بننے سے لے کر اب تک اس مقصد پر خرچ ہو چکے ہیں (اور حاصل کچھ نہیں) وہی رقوم اگر پہلے نہیں تو اب سے مثبت رخ پر خرچ کی جائیں' مثلاً ہر سال دس پانچ کارخانے کھلوائے جائیں' چھوٹی پہاڑیوں کے ارد گرد توڑ پھوڑ کر کے نئی زرعی زمینیں برآمد کی جائیں' سطح مرتفع کے علاقوں میں پانی نے کاٹ کر جو زمینیں تباہ کی ہیں ان کے بجائے نیچے بننے والے ناہموار رقبوں کو بلڈوزروں سے ہموار کیا جاتا' اوپر اور نیچے کی زمینوں کو آئندہ کے لیے محفوظ کرنے کا انتظام پانی کے نکاس کے مناسب راستے بنا کر کیا جاتا' سیم اور تھور کے تباہ کردہ رقبوں کو برآمد و بحال کیا جاتا' شہروں کے آس پاس کی قیمتی زمینوں سے جس طرح چار چار یا دو دو کنال کے پلاٹ بنا کے اپنی زرعی قوت کو لٹایا گیا ہے اس کی روک تھام کی جاتی۔ ایک خاص حدِ آبادی مثلاً ۵ لاکھ پوری ہو جائے تو دس میل تک آس پاس کوئی نئی تعمیر کرنے کی اجازت نہ دی جاتی۔ اور پورے ملک میں یہ پابندی لگا دی جاتی کہ آباد کاری کے لیے کوئی پلاٹ کہیں بھی ایک کنال سے زیادہ ایک گھر کے لیے استعمال کرنا ممنوع ہو گا' نیز شہری علاقوں کے قریب بڑے سے بڑا رقبہ دس مرلے ایک پلاٹ کے لیے مخصوص کر دیا جاتا' لیکن جو لوگ کوئی خاص غیر معمولی ضروریات نہ رکھتے ہوں ان کو ۵ مرلے سے زیادہ کا سکنی پلاٹ ملکیت میں رکھنے یا استعمال کرنے سے روک دیا جاتا۔ غریب مزدور' ملازمین اور سرکاری عطیات کے طور پر معذوروں کو دیے جانے والے پلاٹ ۳ مرلے تک محدود کر دیے جاتے۔ یہ جو ہر حکومت پلاٹوں کو بانٹنا

شروع کر دیتی ہے اور وزراء اور ارکان پارلیمان اور افسر اور بڑے لوگ اس سے بھاری فائدے اٹھاتے ہیں' یہ نہایت ناجائز سلسلہ ہے اور اسے فوراً بند کر دینا چاہیے۔

اوپر جو زمینوں کی بازیافت یا تیاری کے لیے پروگرام عرض کیا گیا ہے اس پر بے روزگار نوجوانوں کو قدرے کم مزدوری پر کام سے لگایا جائے۔ ان طریقوں سے وہ سرمایہ کام میں لگایا جائے جو فیملی پلاننگ کے نام پر برباد کیا جاتا ہے اور بیشتر یونہی خورد برد ہو جاتا ہے۔ دریاؤں' نہروں سے ہر سال مٹی نکلوائی جائے' خاص خاص ویران قطعات پر جنگل اگائے جائیں۔ سڑکوں اور نہروں اور ریلوے لائنوں کے دونوں طرف شجرکاری کی جائے جس میں خاص خاص صنعتی ضروریات ملحوظ رہیں۔ درخت ایک دفعہ لگوا دینا کافی نہیں بلکہ درخت لگوانے والے کی ڈیوٹی ہو کہ وہ حفاظت کرے اور پانی دے اور تین سال کسی درخت کی غور و پرداخت کرنے والوں کو کچھ نقد رقم دی جائے۔

۱۲- اس کا انتظام کیا جائے کہ ہر سال تین چار ہسپتال' سو پچاس ڈسپنسریاں' گاڑیوں کے ذریعے علاج کے موبائیل انتظامات' کم سے کم ایک لاکھ نئے ان پڑھ بچوں کے لیے ابتدائی تعلیم کے بلافیس انتظامات' تعلیم بالغان کے ہر صوبے میں اوسطاً" ۵ ہزار سنٹر کھولے جائیں' ملک بھر میں کم سے کم پیشہ ورانہ کاموں کی تربیت کے مراکز کا قیام' (جہاں ٹائپ رائٹنگ' سٹینو گرافی' ریڈیو و ٹیلی ویژن اور ٹیلی فون و ٹیلی گراف کی سکھلائی' کمپیوٹر کے مختلف استعمالات کی تعلیم' برقی سامانوں کی مرمت اور بعض کے بنانے کی تربیت' واٹر کولر اور گیس ہیٹرز' اور چولہے اور گرمالے تیار کرنے میں دسترس' فرنیچر اور تعمیراتی کاموں' نیز رنگ و روغن اور وارنش کے استعمال کی سکھلائی' قالین بافی' مختلف قسم کی سیاہیاں تیار کرنے' دفتری اسٹیشنری کے بعض مصنوعاتی اجزا کو بنانے' جوتوں اور چمڑے اور پلاسٹک کے سامانوں کی تیاری میں مہارت پیدا کرنا ——— وغیرہ' بے شمار کام ہیں۔ جن میں سے دو دو' تین تین کو مختلف مراکز میں پھیلا دینا چاہیے۔

"نسل روک" پراپیگنڈا تو چونکہ منفی عمل کے لیے ہے اس لیے آسان ہے' مثبت طریق سے اگر کام کو سنوارنا ہو تو محنت زیادہ پڑتی ہے۔

۱۳- مندرجہ بالا شق کے مطابق بڑھتی ہوئی نسلوں کے سنبھالنے میں وہ سرمایہ دار اور دولت مند طبقہ حائل ہے جس کے رزق میں سو پچاس بلکہ ہزار دو ہزار گھروں کا رزق ملا ہوا ہوتا ہے۔ قدرت جسے زیادہ دیتی ہے لٹانے اور عیش کرنے کے لیے نہیں دیتی بلکہ غریب اور حاجت مند بھائیوں تک پہنچانے کے لیے دیتی ہے۔ یہ قدرت کی طرف سے امتحان ہے۔ ہمارا طبقۂ بالا بجائے

اس کے اپنی دولت کو امانت الٰہی سمجھ کر اس کو مفید ادارات' نیکی کے کاموں اور غریبوں کی کفالت کے لیے استعمال کرے' الٹا وہ غریبوں کو یہ راستہ دکھاتا ہے کہ "بچے دو ہی اچھے"۔ یعنی غریب طبقوں کی اکثریت اتنی بڑھ نہ جائے کہ اس کے درمیان امیرانہ ٹھاٹ باٹ جاری نہ رکھے جا سکیں اور وہ اپنا حق طلب کرنے کے لیے بواسطہ حکومت یا براہ راست اپنا پریشر اتنا بڑھا دیں کہ دولت کے انبار ہاتھوں سے جاتے رہیں' یا مجرمانہ ذہنیتیں بڑھ جائیں اور جو لوٹ مار شروع ہو چکی ہے وہ تخریبی طاقتوں کی منہ مانگی تحریک بن جائے۔ یہی صورت پورے مغرب اور امریکہ کی ہے' وہ اس خوف میں ہے کہ غریب ملکوں کی بڑھتی ہوئی آبادی (خصوصاً" مسلم آبادی) بہت زیادہ بڑھ نہ جائے کہ ہمارے لیے دنیا کی فریب کارانہ خدائی کو چلانا ممکن نہ رہے اور کثیر اور نفیس پیداواروں کے ڈھیروں سے کہیں ہم محروم نہ ہو جائیں۔ اس لیے تحریک چلا دی کہ ایشیائی اور مسلم ممالک میں خاندانی منصوبہ بندی کی رفتار تیز کی جائے۔

۱۴ - دلچسپ بات یہ ہے کہ جن مسلمان ریاستوں میں مدتوں سے مشنری پادری اپنے اداروں اور گروہوں کے ساتھ گھسے ہوئے ہیں وہاں وہ اپنے لیے اور عیسائیت قبول کرنے والی آبادی کے لیے تو اپنے ملکوں اور اقوام متحدہ تک سے اسبابِ زندگی منگوا لیتے ہیں اور ایک طرف تبلیغ سے اور دوسری طرف تولید سے اپنی طاقت بڑھاتے چلے آ رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو ایک تو مغرب کی نوازشوں سے محرومی لازم' دوسری طرف عیسائی گروہ ان کے لیے نت نئے ہنگامے اور چیلنج پیدا کرتے ہیں اور تیسری طرف مسلمانوں کی بھوک کی بھیانک تصویریں بنا کر ان سے کہتے ہیں کہ آبادی کو بڑھنے سے روکو' ورنہ بھوکے مر جاؤ گے۔ یعنی بڑی خوبصورت تجویز ہے مسلمان ملکوں پر قبضہ کرنے کی۔ چند سال بعد سہی۔

اس وقت سوڈان میں تو قدیم مشرک قبائل میں سے تبلیغ کے شکار کردہ افراد اور ان کی نسلیں مشنری حلقوں ------ پادریوں' ڈاکٹروں' معلموں اور نرسوں کی باہر سے مسلسل آنے والی تعداد اور ان کی پھیلتی نسلیں' مغربی سرمائے اور پراپیگنڈے کے ساتھ اس قابل ہو گئی ہیں کہ جنوبی سوڈان میں انہوں نے بغاوت اٹھا دی۔ اگرچہ ابھی مسلمانوں کی قوت اتنی ہے کہ روک تھام ہو گئی مگر مشنریوں کے باقاعدہ منصوبے سے مورچہ بندی مستقبل قریب کے لیے ہے۔

۱۵ - دیکھ لیجئے جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں ان بدنصیبوں پر کیا بیت رہی ہے۔ کشمیر میں دیکھیے' پورے بھارت میں دیکھیے' فلسطین کے مسلمانوں کو دیکھیے۔ یونان میں رہ جانے والے مسلمانوں پر نگاہ ڈالیے' بوسنیا کے مسلمانوں کے سر سے گزرتی ہوئی قیامت کو دیکھیے'

اراکان اور برمی مسلمانوں کا حالِ زار ملاحظہ فرمایئے' روس میں مسلمانوں پر پچھلے ۷۰ سال میں جو گزری اسے یاد کیجئے' اریٹیریا کے مسلمانوں کی طرف توجہ فرمایئے' جنوبی فلپائن کے مسلمانوں کو بھی اپنی ہمدردیوں کا مستحق سمجھیے۔ گویا دنیا بھر میں آپ کی فیملی پلاننگ زور شور سے ہو رہی ہے۔ پھر کیا آپ کاٹھی پر کاٹھی ڈالنا چاہتے ہیں؟ ملکوں ملکوں کتنا بڑا قتل عام ہے جو مسلمان ملکوں میں ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ خود ہمارے اکثریتی ملک میں مسلمان مسلمان پر کلاشنکوف تانے ہوئے ہے۔ یہ تو نتیجہ ہے بیرونی اشرار کی مداخلتوں کا جنہوں نے یہاں کے اچھے بھلے شہریوں کے ذہن اور کردار بگاڑ دیے ہیں۔

مغرب میں باہر سے گئی ہوئی اور مقامی مسلم اقلیتوں کے ساتھ یہ زیادتی دیکھیے کہ وقتاً فوقتاً ان پر حملے کیے جاتے ہیں۔ سلمان رشدی کی توہینِ سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور تضحیکِ اسلام پر مشتمل کتاب کی اشاعت پر وہاں کے قانون میں اتنا انصاف نہیں ہے جتنا عیسائی مذہب اور حضرت عیسیٰؑ اور جناب مریم کے بارے میں توہین و تضحیک کو روکنے کے لیے ہے۔ آپ کی اقلیتوں کی اولادوں پر وہاں کے سرکاری ہی نہیں' خود آپ کے قائم کردہ سکولوں میں وہاں کی گندی ثقافت ٹھونسی جاتی ہے۔ اسکولوں میں سور کا حرام گوشت بچوں کو دیا جاتا ہے۔ ان کے سامنے جنسی احوال کو بالکل نو عمری میں اتنا زیادہ فاش کر دیا جاتا ہے (بذریعہ نصاب' ٹیلی ویژن و درس اساتذہ) کہ نہ شرم و حیا نام کی کوئی چیز باقی رہتی ہے' نہ ماں باپ کا ادب و احترام۔ بلکہ ماں باپ کسی بات سے روکیں یا آوارہ پھرنے سے منع کریں تو ان کی صاحبزادیاں تھانے میں جاکر رپورٹ کریں گی اور فوراً والدین کو سزا دلوا دیں گی۔ فرانس میں تو یہ قصہ بھی ہو چکا ہے کہ مسلمان لڑکیوں کو سر پر سکارف وغیرہ لینے سے منع کر دیا گیا۔

کیا یہ سب اقلیت میں ہونے کی سزا نہیں ہے جو مسلمانوں کو مل رہی ہے؟

بس آپ یہی نغمہ الاپتے رہیے کہ "بچے دو ہی اچھے"۔

۱۶ - ذرا یہ بھی خیال رکھیے کہ آپ سے معاندانہ معاملہ ایشیا کی سپر پاور بننے کے خبط میں مبتلا بھارت کا ہے۔ وہ تقریباً ۸۹ کروڑ کی آبادی کا ملک ہے اور اس آبادی میں سے ۱۱ لاکھ مستقل فوج کھڑی کی گئی ہے اور نیم فوجی تنظیمیں الگ ہیں۔ آپ کی فوج کی عددیت اس سے لازماً" کم رہے گی۔ یہ کم تعداد فوج صرف زیادہ استعداد (ایمان' جذبۂ شہادت' شوقِ جہاد' بہترین ڈسپلن' نقل و حرکت میں تیز رفتاری اور اسلحہ پر زیادہ سے زیادہ کنٹرول) کے بل پر حریف کا مقابلہ کر سکتی ہے' جو بہت سی کمزوریوں میں مبتلا ہے۔ لیکن اگر آپ فیملی پلاننگ شروع کر دیں تو دس سال میں

آپ کی عددی قوت کا گراف گرنے لگے گا، اور ۲۵ سال بعد آپ کے ہاں بوڑھوں کی تعداد زیادہ ہو گی اور جنگی نوجوانوں کی کم۔ پھر آپ جن ہمسایوں کی زد میں ہیں ان سے کیسے معاملہ کریں گے؟

فیملی پلاننگ ہماری تباہی ہے۔ جیسے ایٹم بم کے لیے بھٹو صاحب نے کہا تھا کہ ہم گھاس کھا لیں گے مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے۔ یہی صورت آبادی کے "بم" کی ہے۔ آپ کو ہر حال میں عددیت کو کم نہیں ہونے دینا ہے، چاہے گھاس کھا کر وقت گزارنا پڑے۔

۱۷۔ آبادی یا عددیت کا ایک جنگی تجربہ آپ کو یاد دلائیں جو قریبی مقام پر ہوا۔ بھارت اور چین میں تصادم ہوا۔ ایک طرف انڈیا کی فوجیں پہاڑی پر توپیں، مشین گنیں اور رائفلیں تان کر بیٹھیں اور دوسری طرف چینی فوج کے سپاہی پورے محاذ کے برابر لمبی صف بنائے ہوئے مقابل کے پہاڑ سے اترے اور گولیاں چلاتے ہوئے بڑھے۔ آخر ساری صف ختم ہو گئی، پھر ویسی ہی دوسری صف نمودار ہوئی اور وہ بھی گولیاں چلاتی ہوئی اور گولیاں کھاتی ہوئی ختم ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس سلسلے کے نتیجے میں بھارت کی نفری بھی کم ہو گئی اور گولہ بارود تمام ختم ہو گیا۔ توپیں اور مشین گنیں خاموش ہو گئیں اور بھارتی فوج کو بھاگنا پڑا۔ دیکھیے یہاں صرف عددیت نے اتنا بڑا کام کیا کہ بڑے کثیر اسلحہ کے بغیر ممکن نہ تھا۔

۱۱ ستمبر ۱۹۶۵ء کے معرکے کے دوران میں خاصا بڑا علاقہ پاکستان کی فوج کے قبضے میں آگیا تھا۔ مگر اتنا آگے جانے کے بعد انہوں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ پوچھا گیا کہ آپ لوگ مفتوحہ علاقے کو کیوں چھوڑ آئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس آدمی نہیں ہیں جو اس علاقے پر قبضہ برقرار رکھ سکیں۔

اب ذرا سوچیے کہ آبادی کو کم کر کے آپ اپنی کیا سٹریٹیجک پوزیشن بنا لیں گے؟

۱۸۔ مالتھس سے پہلے بھی مسئلہ آبادی پر مختلف ممالک اور زمانوں میں سوچا گیا۔ مگر مالتھس نے ذرا زیادہ وضاحت سے نظریہ کو نکھار کر پیش کیا۔ مگر اس نے آبادی کے متعلق خوراک یا معاش کی مناسبت سے جو تخمینے دیے وہ غلط ثابت ہوئے۔ بعد والوں نے یہ رائے قائم کی کہ وسائل اور ضروریات میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر اس دلیل کو موثر تو تسلیم کیا گیا مگر یہ اصول نہ ٹوٹا کہ آبادی کا اضافہ ۲ x ۲ x ۲ کی رفتار سے ہوتا ہے اور ذرائع کا اضافہ ۲+۲+۲ کی رفتار سے۔ ایک طرف نتیجہ آٹھ ہے، دوسری طرف ۶۔ یہ عمل جتنے طویل ہندسوں پر کیا جائیگا اتنا ہی فرق بڑھتا جائیگا۔

لیکن یہاں ایک چیز نگاہوں سے اوجھل رہ گئی کہ وسائل اور پیداواروں کا اضافہ کچھ عرصہ عام رفتار سے چلتا ہے مگر چند سال میں وہ ایک بڑی جست لگاتا ہے۔ جیسے مشینی دور کے آغاز سے' اسٹیم اور پٹرول کی ایجاد سے' پھر بجلی کے انکشافات اور اس کے نئے نئے استعمالات سے' پھر اٹامک انرجی سے' اور اب سورج کی حرارت سے جو سعی شروع ہوئی ہے اس کے اثرات نہ جانے کہاں پہنچیں گے۔ اٹامک انرجی کے اثرات صنعت پر ہی نہیں' زرعی پیداواروں پر بھی ہیں اور انسانی صحت پر بھی حیرت انگیز تجربات جاری ہیں۔ کچھ معلوم نہیں کہ کب پیداواری نظام کی کوئی نئی جست نمودار ہو جائیگی۔ اور وہ کتنے مسائل کو کتنی بڑی آبادی کے لیے حل کر دے گی۔ کمپیوٹر کا دور شروع ہوگیا ہے' آگے روبوٹوں کا دور آرہا ہے۔

الٹرا ساؤنڈ ویوز (Ultra Sound Waves) کی ساحریاں دیکھیے' لیزر شعاعوں کے شگوفے دیکھیے اور اندازہ کیجئے کہ کیا کیا کچھ نمودار ہو سکتا ہے۔

اب مالتھس اور بعد کے نظریہ سازانِ آبادی کو ہم نے اپنی زمامِ عقل اس طرح آنکھیں بند کر کے سونپی ہے کہ ہم مسئلہ آبادی کو خوراک اور معاش کے ساتھ وابستہ کرنے کے علاوہ اور کچھ سوچتے ہی نہیں کہ اس مسئلے کا تعلق کن کن امور سے ہے یا ہو سکتا ہے۔ اوپر ایسے بہت سے مسائل کا ذکر آچکا ہے۔

۱۹ - مثلاً یہ وجہ مسئلہ آبادی کے تحت کم ہی زیرِ بحث آئی ہو گی کہ کچھ قومیں مدت ہائے مدید تک کمزور ملکوں کو اپنے نو آبادیاتی دورِ شہنشاہیت میں اتنا کوٹتی رہی ہیں کہ ان کی دولت کو پوری طرح نچوڑ لے گئی ہیں۔ یہ لوٹ مار ان کے ذرائع و رسائل اور پیداواری قوتوں کو مستقل طور پر بڑھا دینے کا باعث ہوا۔ کیا ایسی لٹیری قوموں کا حساب آپ نارمل سسٹم پر لگا سکتے ہیں۔ یا مثلاً جیسے کویت بذریعہ عراق اور عراق بذریعہ امریکہ و اتحادیان مغرب تباہ کیے گئے ہیں' اس کے بعد ان کی آبادیوں اور آمدنیوں کا حساب سابق فطری احوال کے مطابق ہو سکتا ہے؟ جیسے آپ کہتے ہیں کہ جس نے اعلیٰ تعلیم پائی وہ لازماً" سوسائٹی میں خوش حالی حاصل کر لے گا۔ ایک شخص نے ایم اے' ایل ایل بی کیا اور چند سال کی پریکٹس کے بعد ہی وہ محکمہ جوڈیشری میں بطور جج لے لیا گیا۔ لیکن اس کی کمائی کے قیمتی ماحصل کو کچھ ڈاکو لوٹ کے لے گئے اور اس کی عظیم الشان عمارت کو آگ لگا گئے۔ اب فرمایئے اس کی تعلیم پیش آمدہ دورِ غربت کو کیسے سہارے گی اور کس طرح وہ ایک بیوی اور پانچ بچوں کی ضروریات اور تعلیمی مصارف پورے کرے گا۔ اسے تو کرایے کے ٹھکانے میں رہنا ہو گا۔

دوسری طرف کیا ان ڈاکوؤں کی آپ تحسین کریں گے کہ کمال ہے ان لوگوں نے کثیر العیال ہونے کے باوجود اپنا انتظام کرلیا۔

گویا تاریخی حوادث کا بھی ایک بڑا دخل ہے۔ اور اسی طرح جغرافی وجوہ کا بھی۔ کسی کم پیداوار ملک میں یکایک کثیر مقدار میں تیل نکل آتا ہے' کثیر آبادی کے کسی خطے میں سونے کی کانیں' بلکہ چینل یا پارے یا ٹین وغیرہ کی کانیں دریافت ہو جاتی ہیں' یا کسی زلزلے سے باہر کے کسی ملک کے دریا کا بہاؤ دوسرے ملک کی طرف ہونے لگتا ہے۔ یا جدید سائنسی و ٹیکنالوجیکل صلاحیتوں کے ساتھ باہر سے کچھ اپنے لوگ آکر سکوٹر یا ٹیلی وژن یا کمپیوٹر وغیرہ تیار کرنے لگتے ہیں' جدید آلات کشاورزی اور کھادوں اور دواؤں کے ذریعے' نیز برقی ذرائع کی وسعت کے تحت ٹیوب ویل کھود کر آبپاشی کے انتظامات بڑھا دیتے ہیں۔ تو کیا کثیر آبادی کا کم وسائل ملک دس سال میں اپنا پانسہ پلٹ کر نہیں رکھ دے گا۔

۲۰ - ایک مشکل یہ ہے کہ اربوں روپے کے خرچ سے ایک بار قوم کو اگر آپ فیملی پلاننگ کے راستے پر ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور ذواقین اور ذواقات کو بغیر کسی اندیشۂ اظہارِ حمل کے بدکاری کا کھلا موقع مل جائے۔ نیز ماڈرن عورت کو مخلوط تعلیم اور مخلوط سوسائٹی میں گھلنے ملنے' بناؤ سنگار کے ساتھ بازار گردی اور طرح طرح کے فیشن اختیار کرکے ملک اور غیر ممالک میں سیر سپاٹے کرنے میں فطرت کی فتنہ سامانیاں مداخلت نہ کریں تو قطع نظر اس سے کہ بدکاری کا طوفان اٹھ کھڑا ہوگا کیونکہ آپ معصوم لڑکوں اور لڑکیوں سے لے کر مردوں عورتوں تک ہر کسی کو بذریعہ تعلیم' بذریعہ ٹیلی وژن اور بذریعہ لکچرز (مع میجک لینٹرن بیالوجیکل تصاویر و نقشہ جات) راز پس پردہ کو' انھا کے بھرے بازار میں لا فاش کریں گے اور آپ کا دیا ہوا علم صرف علم کے خانے ہی میں جا کر نہیں نکے گا۔ وہ خواہش اور شہوت کے قانون میں اپنا کام کرے گا۔

بہرحال جب یہ وبا عروج پر آجائے گی تو چند سال میں اس کے خطرناک نتائج سامنے آئیں گے' اور پھر آپ پہیے کو واپس گھمانا چاہیں گے کہ آبادی مسلسل کم ہوتی جارہی ہے اس کا تدارک کیا جائے۔ ایک بار آپ کو پھر اربوں روپیہ خرچ کرکے پروپیگنڈا کرنا ہوگا' لوگوں کو زائد بچوں کے لیے وظائف دینے پڑیں گے۔ پھر بھی کامیابی میں دیر لگے گی۔

۲۱ - آبادی کی ضرورتیں سامنے رکھیے۔ ایک یہ کہ بین الاقوامی مجالس میں آپ کی حیثیت آبادی کے کم و بیش ہونے کے لحاظ سے متعین ہوگی' جب کبھی ایڈ یا قرضوں یا اسلحہ کی تقسیم یا غذائی و دوائی امداد (بوقت مشکل) تقسیم کرنے کا موقع آئے گا تو آپ کا حصہ آبادی کے لحاظ سے متعین

ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ۳ کروڑ آبادی والے علاقے کو ۶۰ کروڑ آبادی والے علاقے کے برابر سمجھ جائے۔ پھر دنیا میں ممالک کی قدرو قیمت کا ایک معیار یہ ہے کہ وہ مصنوعات کی کتنی بڑی منڈیاں ہیں۔ مثلاً" ۳ کروڑ افراد کے لیے چائے یا کپڑے یا اونی مصنوعات یا گھریلو استعمال کی مشینوں یا سکوٹروں' ٹائپ رائٹروں' برقی سامان وغیرہ کی جو تعداد درکار ہوگی' ۶۰ کروڑ آبادی والے ملک میں اس کا ۲۰ گنا کھپے گی۔ اس وجہ سے لحاظ داری میں' اہمیت دینے میں' قرض اور اسلحہ دینے میں' دوستانہ معاہدے کرنے میں ان کے درمیان اوّل درجے کا تعلق ہوگا۔

۲۲ - یہاں اس بات پر بھی توجہ دلادی جائے کہ زراعت اور خاص طور پر انڈسٹری اس ملک میں چل سکتی ہے جہاں کی کثیر آبادی consumers فراہم کرے۔ ہر ملک کی پہلی مارکیٹ اس کی اپنی آبادی ہوتی ہے' اگر وہی حوصلہ شکن ہو تو آگے ترقی کیسے ہوگی۔

نیز زراعت و صنعت اور سائنس و ٹیکنالوجی و دفاعی سامان کی تیاری کے سارے کام بڑے وسیع پیمانے پر لیبر چاہتے ہیں۔ اگر آپ کی قلیل آبادی زیادہ کاموں کے لیے لیبر ہی فراہم نہ کر سکے تو کام کیا ہوگا۔

۲۳ - اس کے معنی یہ نہیں کہ چھوٹے ملکوں کے لیے جینے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ البتہ اس کے لیے غیر معمولی کوشش سے علم' ایجادات اور قومی مصارف میں بچتوں کے ذریعے سرمایہ پیدا کرکے اپنی سستی لیبر کے ذریعے خاص راستہ بنانا ہوگا۔ جس کی مثال جاپان اور کوریا وغیرہ ہیں۔

بس شرط لازم یہ ہے کہ آپ اپنے حکمرانوں اور افسروں کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ ملکی دولت میں سے کم سے کم حصہ لیں' عوام استعمالی اشیاء اور تقاریب میں کم سے کم مال صرف کریں' بڑی زمینداریوں والے لوگ اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنی زمینیں پبلک لمیٹڈ فرم کی شکل میں رجسٹری کرائیں اور ۵۱ فیصد ملکیتی حصے رکھ کر بقیہ ۴۹ فیصد میں سے ۱۹ فیصد حکومت کو اور ۳۰ فیصد پبلک کو فروخت کریں۔ حاصل شدہ رقم سے ٹریکٹر' ٹیوب ویل' تھریشر' بلڈوزر' برقی نظام' اکاؤنٹس آفس' مشینی مرمت کی ورکشاپ' نئے نئے قیمتی بیج' کیڑے مار دوائیں' حاصل کریں۔

۲۴ زرعی سائنس دانوں کا گروپ مع لائبریری و لیبارٹری موجود رہے جو ضروری زرعی مسائل پر تحقیقات کرتا رہے۔ یہ پابندی ہونی چاہیے کہ زمین کی کم سے کم مقدار کو سکنی پلاٹوں کی شکل دی جائے۔ تمام سامان آرائش کی درآمد بند کر دی جائے' تعیشات (luxuries) کی درآمد بھی بند کی جائے اور استعمال بھی ممنوع ہو۔ مشروب اور رقص و موسیقی کے non productive ادارے جن کے مصارف تبذیر کی حد میں جاتے ہیں' یکسر ممنوع ہوں۔ بڑی کاریں ختم کر دی جائیں۔

ایک گھر میں ایک سے زیادہ گاڑی نہ ہو۔ کسی شخص کو ۳۰ گیلن روزانہ سے زیادہ پٹرول نہ دیا جائے۔ دفتری گاڑیوں کو ذاتی استعمال میں نہ لایا جائے۔ نئی ایجاد یا بچت کی کسی نئی تجویز پر انعامات اور سندات جاری ہوں۔

۲۴ - بیچ میں یہ بات رہ گئی کہ فیملی پلاننگ کے عالموں اور ناظموں کو مسٹر پروفیسر عزیز صدیقی کا وہ مضمون لازماً" پڑھنا چاہیے کہ غالباً" اسی سال کے کسی شمارے میں آیا ہے۔ انہوں نے بالکل نئے انداز سے ایک پہلو سامنے رکھا ہے۔ یعنی ممالک کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) آبادی کم اور آمدنی بھی کم (۲) آبادی زیادہ اور آمدنی بھی زیادہ (۳) آبادی کم اور آمدنی زیادہ (۴) آبادی زیادہ اور آمدنی کم۔

خلاصہ یہ کہ انسانی مسرت کا دامن لازمی طور پر آمدنی کی معیاریت سے بندھا ہوا نہیں ہے۔

۲۵ - میڈیکل جرنل اور سائنسی جرنل کے علاوہ جو لوگ ریڈرز ڈائجسٹ یا ٹائمز امریکہ یا نیوز ویک پڑھتے ہیں' وہ گاہ بہ گاہ حمل روک دواؤں اور ترکیبوں کے علاوہ اسقاطِ حمل کے اثرات کا کچھ نہ کچھ مطالعہ رکھتے ہونگے۔ کوئی حمل روک گولیاں یا رِنگ یا Cap وغیرہ ایسی چیز نہیں ہے جو فوری ضرر یا کچھ عرصہ بعد کے نتائجِ بد نہ رکھتی ہو۔ The pill جس کی بڑی تعریف کر کے دنیا بھر میں اسے پھیلایا گیا ہے' اس کے بھی مضرات ہیں۔ اصل میں انسانی وجود کی انتہائی پیچیدہ اور نازک مشینری کو بے جا چھیڑنے اور شاخوں سے گزر کر جڑوں تک پر نشتر چلا دینے کا معاملہ کوئی کھیل نہیں ہے۔ بسا اوقات دوسری تکالیف کے علاوہ کسی جوڑے یا خاندان کا معیاری نظامِ تولید بدل جاتا ہے۔ کبھی اولادوں کے کوئی اعضا ماؤف ہوتے ہیں' کبھی لمبے پرہیز کرنے والی خاتون کے ہاں اکٹھے ۲ یا ۳ یا ۵ بچے پیدا ہو کر اس غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کبھی دو بچوں کے بدن جڑے ہوتے ہیں۔ کئی پیدائشی نابینا یا بہرے یا کسی اور طرح معذور ہوتے ہیں۔

ان سارے مسائل کی باریکیوں میں جائے بغیر قومی خزانے کے خرچ سے اشتہار دے دینا کہ "بچے دو ہی اچھے" بڑی لاپروائی کی بات ہے۔

آپ کے ہاں تو کسی ایسے ادارے کا وجود ہی نہیں معلوم ہوتا جو اس مسئلے پر پورا لٹریچر پڑھے اور تولید کو روکنے کے طریقوں کے بیالوجیکل اور نفسیاتی نتائجِ بد کی تفصیل تک سامنے رکھتا ہو۔ محض ایک "ایڈ" کا روپیہ ہضم کرنے کے لیے قوم کے مردوں اور عورتوں کو ایک پیچیدہ چکر میں ڈال دینا بڑا افسوسناک امر ہے۔

۲۶ - بچے ماں باپ کی قربانی سے پلتے ہیں۔ وہ خود بھوکا رہ کر ان کو کھلاتے ہیں' وہ خود سردی میں

ٹھٹھر کر بچوں کو گرم رکھنے کا سامان کرتے ہیں۔ یہی قربانی ایک دو بچوں کے لیے بھی ہوتی ہے اور یہی قربانی چھ سات کی تعداد تک جاری رہتی ہے۔ اسی ایثار و قربانی سے وہ خاص محبت وجود میں آتی ہے جو ہمارے معاشروں میں رہی ہے۔ اس محبت کے تحت اولادیں والدین کی خدمت گزار اور والدین ان کے لیے شفیق ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ محبت بہوؤں اور پوتوں تک چلتی ہے اور دوسری طرف بیٹیوں' دامادوں اور نواسوں' نواسیوں تک جاری رہتی ہے۔ اس بیکراں محبت کی ٹھوس عملی بنیاد ہوتی ہے۔ باپ دوہرے دوہرے کام کرتا ہے' ماں سینے پرونے اور کڑھائی کے کاموں کی اجرت حاصل کرتی ہے' کبھی چرخہ کات کر اور کبھی کشیدہ کاری کرکے' ٹوپیاں اور ازار بند بنا کر' دوسرے گھروں میں برتن یا کپڑے دھو کر دس سال کا مشکل دور کاٹتی ہیں۔ پھر حالات پلٹا کھا جاتے ہیں۔ دوسری طرف وہ ماں اور باپ ہیں جو بچہ سنبھالنے کی ذمہ داری آپڑنے پر یہ سمجھتے ہیں کہ "دل دے کے ہم تو فتنہ در آغوش ہو گئے"۔ ایک طرف اپنے بدنی تقاضوں کا انضباط اور نگاہوں کا بے میل رکھنا' دوسری طرف ماں باپ دونوں کا اپنی اپنی نوکریوں کی طرف بھاگنا اور جلدی سے جلدی "بچے" کی بلا کو کسی "بچہ گھر" میں پھینکنا (جان بچی سو لاکھوں پائے) محبتوں کی جڑ جمنے ہی نہیں دیتا۔ مغرب تو یہاں تک پہنچا کہ ماں اپنے زندہ بچے کا سر دیوار پر پٹخ پٹخ پر اسے ختم کرتی ہے۔ اور جواز یہ پیش کرتی ہے کہ اس کا کیا حق ہے کہ میرے لطف و آرام میں خلل انداز ہو۔ نتیجتاً" اولادیں کم' طلاقیں کثیر' بچے نہ اِدھر' نہ اُدھر--- خراب خستہ حال' حتیٰ کہ جرائم پیشہ بنتے ہیں۔

غریب اور کثیرالعیال گھروں کو پچھلے دور کے خدا پرست لوگ بہ حیثیت رشتہ دار اور بہ حیثیت پڑوسی مدد بہم پہنچاتے اور بہت سے خیر خیرات کے موقعوں اور تقریبوں پر ان کو سہارا دیتے ہیں۔ کاش کہ اوپر حکومت بھی ماں باپ بن کے موجود ہوتی۔ بہرحال یہ بچے مزدوریاں کرتے کراتے' کچھ بیمار' کچھ تندرست پل ہی جاتے ہیں۔ آگے کوئی ان کو کام سکھانے اور ان سے کام لینے کا نظم موجود نہیں۔

اس لیے حکمران پکارتے ہیں کہ "بچے دو ہی اچھے" --- ورنہ ہم کہاں سے ان کی پڑھائی کا اور روزگار کا انتظام کریں۔

۲۷- میری چشم دید مثالیں ہیں کہ بہت سے گھروں میں سات سات' آٹھ آٹھ بچے پیدا ہوئے' پھر ان میں کسی ایک کو پوری قوت صرف کر کے ماں باپ نے میٹرک کرایا' اس نے وظیفہ لے کر زیادہ اونچی تعلیم حاصل کی' پھر اپنے دوسرے بھائی کو "وایا ٹھنڈا" ایم اے تک پہنچا دیا' پھر

تیسرے کو، پھر چوتھے کو ---- الغرض کوئی فوجی افسر ہے، کوئی ایس پی پولیس، کوئی پائلٹ، کوئی اٹامک انرجی کے تجربات میں مصروف اور کوئی ڈاکٹر پروفیسر اور کوئی ایم این اے۔ یہ سب نتیجہ ہے بھائیوں کے باہمی ایثار کا۔ پھر انہوں نے ماں باپ کو بھی سنبھال لیا۔

اب اگر ایسے لوگوں کے ماں باپ "بچے دو ہی اچھے" کا منتر پڑھ لیتے تو پھر یہ سارا کچھ ہوتا ہی نہ۔ منفی جذبوں کے ساتھ ہرے ہوئے دل، معاش اور روپے کے بت کی خیالی پرستش مگر حالات سے لڑنے کا جذبہ ناپید۔ وہ دو بچے بھی غریب ہی رہتے اور مصیبت ہی ثابت ہوتے۔

۲۸ - یہ سوال بھی زیر بحث آتا ہے کہ جس مرتبہ آپ تولید کا دروازہ بند کر دیتے ہیں، اس مرتبہ نہ جانے کس اعلیٰ پائے کی شخصیت کا سپرم منزل پر پہنچے بغیر ختم ہو جاتا ہے اور جب آپ کواڑ کھولیں تو عین ممکن ہے کہ ایک مزدور اور کلرک بننے والا فرد دروازے سے داخل ہو، اور جب آپ بند رکھیں تو اس عرصے میں نہ جانے غیر مسلموں میں کتنے چرچل اور مسلمانوں میں کتنے ابن تیمیہؒ اور کتنے صلاح الدین ایوبیؒ اور کتنے اقبالؒ منزل پانے کے بجائے موت کے گھاٹ اتر جائیں۔ آپ کیسے تلافی کر سکتے ہیں۔

۲۹ - آج کے خوفناک دور میں گھروں کے تحفظ (جان، مال، عزت) کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اب تو وہی گھر معرکۂ حیات میں بچ بچا سکتا ہے جس میں چار چھ آدمی جانیں لڑانے کی ہمت رکھتے ہوں اور بلحاظ منصب مختلف محکموں میں رسوخ بھی رکھتے ہوں۔ ورنہ دو بچوں کے گھر میں ڈاکوؤں کی ایک ٹولی کود کر پہلے تو بچوں ہی کو بہ ارادہ اغوا برائے حصول تاوان اٹھا لے جاتی ہے، پھر سربراہ کو گولی مار دیتی ہے، پھر اس کی بیوی اور بیٹی کی عزت بھی لوٹ لیتی ہے۔ تحفظ نہ حکومت دے سکتی ہے، نہ پولیس اور نہ محلہ داروں تک کوئی فریاد ہی پہنچتی ہے۔

پس کثرتِ اولاد سامانِ تحفظ بھی بنتی ہے۔ کسی معرکے میں دو مقتول ہو جاتے ہیں تو چار کے سر اتار بھی دیتے ہیں۔

یہ رہن سہن کہ دور دور، کھلی کھلی، الگ الگ کوٹھیاں ہوں، اندر ایک میاں بیوی، دو ایک نوکر اور دو بچے ہوں تو مجرموں کے لیے کتنی اچھی شکار گاہ ہے۔

۳۰ - جن اولادوں نے محبت و ایثار کی فضائیں ہی نہ دیکھی ہوں، جن کو شرفِ انسانیت کی قدروں ہی کا نہ پتا ہو، جو روپے پیسے کے علاوہ کچھ نہ جانیں ---- نہ خدا نہ رسول، نہ تاریخِ معرکۂ خیر و شر، نہ شجاعت و خودی کی روایات، وہ تو کبھی کسی معرکے میں لڑ ہی نہیں سکتیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ صرف ایسی لڑائی لڑ سکتی ہیں جیسے امریکی سپاہیوں نے خلیج کے خطہ میں لڑی، یعنی آنکھوں

میں لگانے کا لوشن' ہونٹوں پر ملنے کی دوا' شراب ساتھ' لیڈی رجنٹ بھی ہمراہ--- بس مشینوں سے سارا کام لینا ہے اور دشمن کو تباہ کرنے کے لیے صرف بٹن دبانا ہے۔ بخلاف اس کے اگر امریکی سپاہی کو صرف رائفل دے کر اس کے مقابلے میں مصری' پاکستانی' افغان' کشمیری' کسی بھی مجاہد کو رائفل مہیا کر کے کھڑا کر دیا جائے تو امریکی سپاہی کبھی معرکہ جیت نہیں سکتا۔ امریکی سپاہی کشمیری برف زاروں میں' افغانی کوہساروں میں اور عربی ریگ زاروں میں ہمارے کسی بھی سپاہی کے ساتھ مقابلے کی دوڑ نہیں لگا سکتا۔ "بچے دو ہی اچھے" والے فلسفے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔

۳۱ - اب ان اشارات سے آپ جو بھی نتیجہ اخذ کریں' آپ کو اختیار ہے۔ پھر ملاؤں کو جتنی گالیاں آپ دینا چاہیں اور مالتھس اور توما لتھسیوں کے لیے جتنے حمدیہ گیت آپ گانا چاہیں' ضرور گائیں۔ ہماری دلچسپی حقائق سے ہے۔ مختصر یہ کہ "روز ہیجا بکارمی آید اسپ لاغر' نہ گاد پرواری" یعنی جب جنگ ہو تو کمزور سا گھوڑا بھی میدان میں کام دیتا ہے' لیکن خوب پلا پلایا بیل معرکوں میں بے کار ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ زندگی کی جنگ لڑنے کے لیے وسیع عرصہ پیکار میں اگر آپ خوب فربہ اندام اور سامانِ آسائش کے پروردہ تھوڑے سے خوب صورت نوجوان ایم اے' یا ایم ایس سی اور پی ایچ ڈی کی سندیں گلے میں لٹکائے ایک کونے میں سمٹے کھڑے ہوں تو وہ بچارے رائفلیں اور مشین گنیں تو اٹھا اور چلا لیں گے لیکن گھڑی دو گھڑی میں سب "شہید" ہو جائیں گے۔ ہاں کم تعلیم یافتہ' کم موٹے اور کم حسین نوجوان اگر کثیر تعداد میں رن میں اتریں گے تو وہ رائفل کی گولیوں اور ہینڈ گرنیڈوں کے بل پر مرتے مارتے پیش قدمی کر جائیں گے۔

جنگِ حیات میں زیادہ جذبے والے لوگ زیادہ تعداد میں چاہئیں---- خواہ میدان زراعت کا ہو' صنعت کا' یا دفاع کا۔ بہت توانا اور بہت تعلیم والے لوگ تو معاشرے میں تھوڑے ہوں تو بھی بہت' کیونکہ منصوبہ بندی اور رہنمائی کے کام وہ کریں گے۔

۳۲ - اب آخری بات-----!

"عقل آفاق میں پھر پھر کے گماں تک پہنچی!" ---- جو بات ہم عقلی طور پر جاننے کے لیے اصول و احوال کی لمبی چوڑی چھان پھٹک کر کے ایک ظنی (اور مشتبہ) نتیجے تک پہنچتے ہیں' اسی کو وحی و نبیؐ ایک مختصر سے جملے میں بیان کر دیتے ہیں۔ اور یہ بیان ایمان و یقین پیدا کرتا ہے۔ آپ لاکھ نکتے چھانٹتے رہیں مگر ایمان والے آدمی کے لیے یہ ایک حدیث کافی ہے:

حضورؐ نے فرمایا: تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ

ایسی عورتوں سے شادی کرو جو حفاظت کرنے والی اور زیادہ اولاد پیدا کرنے والی ہوں

بقیہ بر صفحہ ۴۱

وہ کتنے عظیم انسان تھے

محمد عنایت اللہ سبحانی

استاذی و مرشدی حضرت مولانا ابواللیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتنے عظیم انسان تھے۔ آہ! وہ کتنے عظیم انسان نظر آتے تھے اس وقت جب کہ ہندوستان گیر اسلامی تحریک کے ہردل عزیز قائد و رہنما ہوتے ہوئے بھی صبح کو رات کی بچی ہوئی باسی روٹی کا ناشتہ کرلیا کرتے تھے۔

جناب محمد مسلم صاحب مرحوم سابق ایڈیٹر "دعوت" اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے کہ وہ جماعتِ اسلامی سے کس طرح قریب ہوئے، فرماتے ہیں:

"مجھے مولانا (ابواللیث صاحب) سے کچھ مشورہ کرکے فوراً بھوپال واپس ہونا تھا۔ میں اسٹیشن سے سیدھا مرکز جماعت پہنچا۔ یہ صبح کا وقت تھا۔ مولانا ناشتے کے لیے دسترخوان پر بیٹھ چکے تھے۔ میں نے گھر میں اطلاع کرائی تو وہیں بلالیا۔ فرمایا: آیئے، آیئے ناشتہ کیجیے۔

میں نے دیکھا دسترخوان پر باسی روٹیاں اور ترکاری تھی۔ مولانا صبر و شکر کی تصویر بنے ہوئے ان باسی روٹیوں کا ناشتہ فرمارہے تھے۔ ہم نے یہ ناشتہ کیا۔ پھر چائے پی۔ دل نے کہا: یہ دسترخوان تو بایزید بسطامی کے دسترخوان پر بھی فوقیت لے گیا۔ اور یہی باسی روٹیاں کھا کر میں تحریکِ اسلامی کی طرف کشاں کشاں بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس میں شامل ہوگیا۔"

آہ! وہ کتنے عظیم انسان نظر آتے تھے اس وقت جب کہ وہ رام پور کے دورانِ قیام میں بارہا خالی شیروانی پہنے ہوئے نظر آئے۔ اس کے نیچے نہ قمیص ہوتی نہ بنیان۔ اور سراغ لگانے پر یہ معلوم ہوا کہ مولانا کے پاس ایک ہی جوڑا کپڑے ہیں۔ اور وہ انھوں نے اتار دیے ہیں دھلنے کے لیے!

مولانا نور الدین صاحب نظامی سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ، رام پور کی روایت ہے کہ انھیں ایک بار دہلی جانا تھا۔ دہلی میں جس جگہ جانا تھا، اس جگہ کا نام تو یاد تھا لیکن پتہ یاد نہ رہا۔ وہ اسی

سلسلے میں فکر مند تھے کہ اچانک مولانا ابواللیث صاحب ؒ نظر آگئے۔ سلام کے بعد مولانا نے پوچھا ارے بھئی خیریت ہے ؟ کس سوچ میں غرق ہیں آپ ؟ انہوں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ فرمایا ' فکر نہ کیجئے۔ مجھے بھی وہیں جانا ہے۔ آیئے ساتھ چلیں گے۔ چنانچہ وہ مولانا کے ساتھ ہو لیے۔ مولانا انھیں اپنی رہائش گاہ پر لے گئے۔

پھر نظامی صاحب کا کہنا ہے کہ وہاں ایک کرتہ الگنی پر پھیلا ہوا تھا۔ مولانا نے شیروانی اتار کر اس کرتے کو پہننا چاہا' لیکن پھر چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ وہ کرتہ ابھی سوکھا نہیں تھا۔

پھر نظامی صاحب نے آبدیدہ ہوکر فرمایا : اس وقت مولانا کے پاس وہی ایک کرتا تھا!

آہ! وہ کتنے عظیم نظر آتے تھے اس وقت جب کہ وہ دعائے نیم شبی اور آہِ سحرگاہی میں مصروف ہوتے' دہلی کے دورانِ قیام میں وہ اذانِ فجر سے پہلے اٹھ کر نمازِ تہجد ادا کرتے۔ اور پھر کبھی تو وہ اذان سے پہلے ہی دفتر "دعوت" پہنچ جاتے تاکہ روزنامہ "دعوت" میں کام کرنے والے ملازمین کو نماز کے لیے جگادیں۔ اور کبھی نماز سے فارغ ہوکر سیدھے دفتر "دعوت" کا رخ کرتے یہ جائزہ لینے کے لیے کہ کن کن لوگوں نے نماز باجماعت ادا کی ہے اور کون لوگ پیچھے رہ گئے حالانکہ جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مرکز جماعت اور دفتر "دعوت" میں خاصا فاصلہ ہے۔

آہ! وہ کتنے عظیم نظر آتے تھے اس وقت جب کہ وہ ملّتِ اسلامیہ کے درد میں گھل رہے ہوتے تھے۔ اور مختلف جماعتوں کے ذمّہ داروں سے یہ آرزو لیے ہوئے ملاقاتیں کررہے ہوتے تھے کہ ان کے درمیان اتحاد و تعاون کی کوئی راہ نکل آئے۔ لیکن کہیں سے انھیں کوئی امید افزا جواب نہیں مل سکا۔

ذاتی طور پر ہمیں یہ معلوم ہے کہ مولانا کئی بار اسی غرض سے بستی نظام الدین دہلی تشریف لے گئے' تبلیغی جماعت کے امیر کے پاس' لیکن ادھر صورتِ حال یہ رہی کہ وہ مولانا کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ انھوں نے سرے سے موقع ہی نہیں دیا کہ مولانا ان سے اس موضوع پر گفتگو کرسکیں۔

آہ! وہ کتنے عظیم نظر آرہے تھے اس وقت جب کہ وہ دہلی میں بیٹھے ہوئے تحریکِ اسلامی کی رگوں میں اپنا خونِ جگر نچوڑ رہے تھے۔ اور یہاں آبائی وطن موضع چاند پٹی میں ان کا اپنا گھر ——— مٹی کا کچا گھر ——— برسات کی موسلادھار بارش کی تاب نہ لاکر گرنا شروع ہوگیا تھا۔ اس کی ایک دیوار بالکل زمین بوس ہوگئی تھی۔ پھر مولانا کے اہلِ خاندان نے ان کے وطن

تشریف لانے سے پہلے ہی وہ دیوار کھڑی کردی۔ لیکن غلطی سے وہ ایک۔ آدھ انچ پڑوسی کی زمین پر آگئی۔

مولانا جب چاند پٹی تشریف لائے اور انہوں نے یہ محسوس کیا یا انہیں یہ معلوم ہوا کہ دیوار ایک آدھ انچ آگے ہو گئی ہے تو اسی وقت اس دیوار کو گرا کر اپنی جگہ پر لانے کا حکم دیا۔

آہ! وہ کتنے عظیم نظر آتے تھے اس وقت جب کہ بہت سے لوگ ان کے ساتھ زیادتیاں اور گستاخیاں کرتے تھے۔ انہیں اذیت پہنچانے اور ان کا دل دکھانے کے لیے اوچھی حرکتیں کرتے تھے لیکن اس وقت بھی مولانا عظمت و شرافت کا پیکر نظر آتے تھے۔

اس طرح کے کتنے ہی مناظر ہم نے بھی دیکھے ہیں اور نہ جانے کتنے لوگوں نے دیکھے ہیں چنانچہ وہ منظر اس وقت ہماری آنکھوں میں ہے جب کہ مولانا پہلی بار اپنی خرابیٔ صحت کی وجہ سے جماعت کی امارت سے مستعفی ہو کر اپنے وطن چاند پٹی آگئے تھے۔ اس وقت جامعۃ الفلاح کے اربابِ حل و عقد نے اصرار کر کے مولانا کو جامعۃ الفلاح کا ناظم اعلیٰ بنا دیا تھا۔ اسی زمانے میں یہ دردناک منظر بھی سامنے آیا کہ علاقے کے کچھ لوگوں نے یہ اڑا دیا کہ مولانا اس مدرسہ سے تنخواہ تو پابندی سے وصول کرتے ہیں لیکن مدرسہ کو وقت بہت کم دیتے ہیں۔ وقت کا زیادہ حصہ اپنے گاؤں میں گزارتے ہیں۔

شدہ شدہ یہ بات مولانا کے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس وقت اس پیکرِ اخلاص کے دلِ نازک پر کیا بیتی ہوگی۔ اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے!

بہرکیف مولانا نے ہاتھ میں چھڑی لی اور بازار کی طرف روانہ ہوگئے۔ راقم الحروف بھی مولانا کے ساتھ ساتھ تھا۔ اس وقت باری باری کئی آدمیوں کے پاس گئے اور نہایت نرم و سنجیدہ لہجے میں فرمایا:

"ارے بھئی، تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں جامعۃ الفلاح سے تنخواہ لیتا ہوں۔ میں تو مدرسہ کی جو بھی خدمت کر رہا ہوں، محض آخرت کے لیے کر رہا ہوں۔"

اور قبل اس کے کہ وہ شخص کوئی معذرت کرے، نہایت بے نیازی کے ساتھ وہاں سے یہ دو جملے کہہ کر روانہ ہوگئے۔

آہ! وہ کتنے عظیم نظر آتے تھے اس وقت جب کہ اتنی ساری ذمہ داریوں سے گراں بار ہونے کے باوجود وہ ہر عزیز، ہر قریب، ہر رفیق، ہر ساتھی اور ہر پڑوسی کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اور کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں ہونے دیتے تھے۔

مولانا کے اہلِ خاندان کا ان کے بارے میں یہ تاثر کتنی اہمیت رکھتا ہے کہ مولانا نے حتی المقدور ہر ایک کو اپنا ممنونِ کرم اور احسان مند بنایا' اور نہ جانے کتنوں کو ان کی ذات سے فیض پہنچا' لیکن خود وہ کبھی کسی کا احسان اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

اس ضمن میں مولانا کا وہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے جو رام پور کے ایک بزرگ کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ برسوں پہلے مولانا کا ایک چھوٹا بچہ اچانک ایک حادثہ کی زد میں آگیا۔ اس کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ان بزرگ کی روایت ہے کہ میں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ مولانا کفاف پر گزارا کرتے ہیں۔ ان کے پاس علاج کے لیے پیسے کہاں ہوں گے۔ آؤ ہم دونوں مل کر مولانا کی کچھ مدد کریں۔ تاکہ بچے کا صحیح طور سے علاج تو ہو سکے۔

چنانچہ ہم دونوں مولانا کے گھر پہنچے۔ اور اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے دو ہزار کی رقم پیش کی مولانا نے پہلے تو اس پر ہمارا شکریہ ادا کیا' پھر فرمایا' اس رقم کی ضرورت نہیں ہے۔ جماعت خود بچے کا علاج کرا رہی ہے۔ اس کے بعد بھی ہم دونوں نے بہت اصرار کیا کہ مولانا کسی طرح اس رقم کو قبول فرمالیں لیکن مولانا نے نہایت بے نیازی کا ثبوت دیا۔ وہ کوئی بھی رقم لینے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

آہ! وہ کتنے عظیم نظر آتے تھے اس وقت جب کہ دنیا بار بار ان کی طرف بڑھی انہیں اپنی طرف مائل کرنے کے لیے' لیکن ہر بار انہوں نے نہایت بے نیازی کے ساتھ اسے ٹھوکر مار دی اور اس کی طرف ایک نگاہ غلط انداز بھی ڈالنے کے روادار نہ ہوئے۔

آہ! وہ کتنے عظیم نظر آتے تھے اس وقت جب کہ وہ قید و بند کی آزمائشوں سے دوچار ہوئے اور بار بار انہیں جیل کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ لیکن ان کے عزم و حوصلے میں کوئی کمزوری نہیں آئی اور جتنے بھی نامساعد حالات ہوں' کبھی وہ خوف اور گھبراہٹ کی حالت میں نہیں دیکھے گئے۔ اس کے برعکس وہ ہمیشہ اپنے ساتھیوں کے لیے صبر و استقامت اور جرات و عزیمت کا ایک بہترین نمونہ ثابت ہوئے۔

کتنی ساری عظمتیں جمع ہو گئی تھیں ہمارے اس مرحوم رہنما میں!

مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ وہ ترجمان القرآن امام حمید الدین فراہی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبتِ کیمیا اثر سے فیض یاب ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک لمبے عرصہ تک امام فراہیؒ کی خدمت کی تھی۔ اور اس خدمت کے دوران تقویٰ و طہارت ' امانت و دیانت ' نیکی و شرافت'

اخلاص و محبت، بے نفسی و للّٰہیت، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے جو ایمان افروز اور روح پرور مناظر انہوں نے دیکھے تھے، ان کا فطری نتیجہ یہی ہونا تھا۔ اس لیے کہ ایک ہونہار پودے کو اگر ساز گار ماحول میسر آجائے تو پھر اس کے ایک شاداب اور تناور درخت بننے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟

اے ہمارے عظیم رہنما، ہزاروں سلام ہوں آپ پر! خدائے رحمان و رحیم آپ کی تربت کو نور سے بھر دے۔ اور آپ کو فردوس بریں میں صالحین اور ابرار کی رفاقت نصیب فرمائے۔

ہم مردہ پرستوں کو زندہ شخصیتوں کی قدر کرنی نہیں آتی۔ ہم تو متاعِ بردہ کے شیدائی اور فردوسِ گم گشتہ کے دلدادہ ہیں، اس لیے زندگی میں تو آپ کی قدر ہم نہیں کرسکے، البتہ آپ کے جانے کے بعد ہماری مثال اس یتیم بے نوا کی سی ہے، جو اپنے شفیق باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہوکر حزن و غم کی آگ میں سلگ رہا ہو۔ اور اپنے شفیق و مہربان باپ کو یاد کرکر کے آنسوؤں کے قلزم بہا رہا ہو۔

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے

بقیہ: بچے دو ہی اچھے .... کیوں؟

کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری تعداد کے زیادہ ہونے پر فخر کروں گا۔
(ابوداؤد - ج ۲ - کتاب النکاح - باب النہی عن التزویج من لم یلد من النساء ص ۲۲)

اعتذار

ترجمان القرآن کے گزشتہ شمارے میں ایک جگہ (رسائل و مسائل ص ۴۵) لفظ "آپ" پر غلطی سے علامت "؃" بن گئی تھی ـــــــ ادارہ اس سہو پر انتہائی نادم اور معذرت خواہ ہے۔

رسائل و مسائل

ارکانِ اسلام

سوال : مسئلہ یہ درپیش ہے کہ دینِ اسلام کے ارکان پانچ ہیں یا چھ۔ دوسرے معنی میں جہاد' ارکان اسلام میں' دیگر ارکان کی مانند مستقل شامل ہے یا نہیں۔

جواب : حدیث شریف میں اسلام کے ارکان پانچ ذکر کیے گئے ہیں۔

۱- اقرارِ شہادتین ۲- اقامتِ صلوۃ ۳- ایتاءِ زکوۃ ۴- صومِ رمضان اور ۵- حجِ بیت اللہ۔

ان پانچ کو اسلام کی بنیادیں قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اہم بنیادیں ہیں' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جہاد اور اسی طرح کے دوسرے اعمال اسلام کی بنا میں شامل نہیں ہیں۔ وہ بھی اسلام کی بنا (عمارت) کا حصہ ہیں لیکن ان کی وہ حیثیت نہیں ہے جو ان پانچ ارکان کی ہے' جہاد میں وہ وسعت نہیں ہے جو ان پانچوں کے اندر ہے۔ یہ پانچ اپنے ساتھ سارے دین کو مع جہاد شامل ہیں اور جہاد ان سب کو یا ان سب کی طرح دین کے تمام شعبوں پر حاوی نہیں ہے۔

البتہ اس پہلو سے جہاد اہم ہے کہ جہاد کے ذریعہ ان تمام کو قائم کیا جاتا ہے۔ اس لیے ایک حدیث میں ایمان کے بعد جہاد کو سب سے افضل قرار دیا گیا۔ عبد اللہ بن مسعود کی یہ روایت بخاری کتاب الایمان میں دیکھ لیجئے۔ آپؐ سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے ؟ تو آپؐ نے فرمایا "ایمان باللہ۔" سوال کیا گیا کہ اس کے بعد کونسا ؟ آپؐ نے فرمایا "جہاد فی سبیل اللہ" سوال کیا گیا کہ اس کے بعد کونسا ؟ آپؐ نے فرمایا "حج مبرور"

مسئلہ طلاق

سوال : ایک مسئلہ درپیش ہے۔ ایک شخص کے تعلقات اپنے سسرال والوں سے کشیدہ ہوگئے۔ وہ آدمی ایک علیحدہ گاؤں میں رہتا تھا اور اس کی بیوی کسی علیحدہ گاؤں میں اپنے سسرال والوں کے ہاں تھی۔ پھر اس آدمی نے غصہ کی حالت میں آکر قلم اٹھایا اور کاغذ پر طلاق نامہ تحریر کیا۔ بیوی کا

نام اور بیوی کے والد کا نام لکھا۔ لفظ طلاق تین دفعہ لکھ دیا۔ اب وہ ایسے آدمی کی تلاش میں تھا جو اس طلاق نامہ کو اس کی بیوی تک پہنچا دیتا' اس کو ایسا آدمی نہ مل سکا۔ اسی اثنا میں اس آدمی اور سسرال والوں کے تعلقات ٹھیک ہوگئے۔ اس کے والد اس کی بیوی کو گھر لے آئے۔ اس کو دوسرے رشتہ داروں اور گھر والوں نے سمجھایا۔ اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ پھر اس نے طلاق نامہ اٹھا کر آگ میں پھینک دیا۔ اب کیا لفظ طلاق تین دفعہ لکھنے سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر واقع ہو جاتی ہے تو پھر اس کی کیا صورت ہوگی۔

جواب: طلاق کے سلسلہ میں آپ کے استفسار کا جواب یہ ہے کہ طلاق اگر بیوی کے نام باقاعدہ خط کی شکل میں ہو اور اس میں یہ نہ لکھا گیا ہو کہ خط ملنے پر طلاق واقع ہوگی بلکہ مطلقاً طلاق دی گئی ہو تو کلماتِ طلاق تحریر کرنے کے ساتھ ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اسی وقت سے عدت بھی شروع ہو جاتی ہے۔ چاہے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

اور اگر طلاق باقاعدہ خط کی شکل میں نہ ہو مثلاً شروع میں بیوی کو مخاطب کر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وغیرہ اور تمہیدی کلمات نہ لکھے گئے ہوں جیسے کہ خطوط کی روایت ہے' صرف بیوی کا نام لکھ کر طلاق لکھی گئی ہو تو ایسی صورت میں طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔

آپ نے جو صورت لکھی ہے اس سے اس قدر بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ شوہر بیوی کو طلاق دینے کی نیت رکھتا تھا اور اس نے طلاق نامہ لکھا ہے لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ طلاق نامہ کے الفاظ کیا تھے۔ آیا اس میں یہ شرط تھی کہ جب میرا خط تمہیں ملے تو تمہیں طلاق ہے یا اس شرط کے بغیر طلاق دے دی تھی۔ بظاہر یوں نظر آتا ہے کہ اس قسم کی شرط کوئی نہ تھی اس لیے یقیناً تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں۔ اور تین طلاقیں تحریر کرنے کے بعد لڑکے کے والد صاحب کے لیے جائز نہ تھا کہ لڑکی کو اپنے گھر لے آتے جب کہ ان کو طلاق کا علم تھا۔ اب اس کا فوری تدارک ہونا چاہیے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ لڑکی کو ماں باپ کے گھر بھیج دیا جائے اور وہ عدت گزارنے کے بعد دوسری جگہ شادی کرے۔ دوسرے شوہر کے ساتھ بھی اگر اس کا نباہ نہ ہو سکے اور دوسرا شوہر بھی اسے طلاق دے دے تو اس کی عدت گزارنے کے بعد پھر دوبارہ پہلا شوہر نکاح کر کے اسے اپنے گھر لا سکتا ہے۔ رد المختار حاشیہ الدر المختار میں ہے۔

وان کانت مبینته لکنها غیر مرسومته ان نوی الطلاق یقع والا لا وان کانت مرسومته یقع الطلاق نوی او لم ینو ثم المرسومته لا تخلوا اما ان ارسل الکتاب بان کتب اما بعد فانت طالق فلما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها

العدة من وقت الکتابۃ وان علق طلاقها بمجئی الکتاب بان کتب اذا جاءک کتابی هذا فانت طالق فجاءها الکتاب فقراتها اولم تقرا یقع الطلاق۔ کذا فی الخلاصۃ (ج ۲ ص ۳۶۴)

اگر تحریر پڑھی جاسکنے والی نوعیت کی ہو (کاغذ یا دیوار پر ہو یا زمین میں اس انداز سے ہو کہ پڑھی جاسکتی ہو اور سمجھی جاسکتی ہو) لیکن باقاعدہ خط کی شکل میں نہ ہو (شروع میں بیوی کے نام کا عنوان نہ دیا گیا ہو اور تمہید وغیرہ نہ ہو) تو نیت طلاق کی ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ اور اگر باقاعدہ خط کی شکل میں ہو تو بہرصورت طلاق واقع ہوگی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ البتہ اگر طلاق مطلقاً دی گئی ہو تو فوراً طلاق ہوجائے گی جیسے تمہیدی کلمات کے بعد لکھا ہو "تجھ پر طلاق ہے" اور اگر مشروط کی گئی ہو مثلاً لکھا ہو کہ جب میرا خط تجھے ملے تو طلاق ہے تو ایسی صورت میں خط کے ملنے پر طلاق واقع ہوگی۔ (نہ ملنے کی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی)۔

مذکورہ صورت میں طلاق نامہ تو بیوی کو نہیں ملا بلکہ بیوی کو سسرال والوں سے راضی نامہ ہونے کے بعد گھر لے آئے اور طلاق نامہ کو جلا دیا گیا۔ لیکن سوال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ طلاق نامہ میں بیوی کو خط ملنے کی شرط کا ذکر تھا یا نہیں۔ غالب گمان یہی ہے کہ اس شرط کا ذکر نہ تھا ورنہ سوال میں اس کا ذکر ہوتا۔ اس لیے قطعی طور پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اور بیوی سے فوری طور پر جدائی لازمی ہوگئی ہے۔

بقیہ : قرآن کیوں پڑھیں ؟

(جو شخص بھی نیک عمل کرے گا' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ وہ مومن ہو' اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے)۔

یہ بصیرت افروز یقین دہانی حکمتِ قرآنی کے اس اعلان پر مبنی ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ

(البقرۃ : ۲۶۹)

(جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔ ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانش مند ہیں)۔

مطبوعات

حرفِ تلخ: مجموعہ اشعار از کمال الدین کمال سالار پوری۔ ناشر مکتبہ کارواں' کچہری روڈ' لاہور۔
سفید کاغذ پر اچھی طباعت' آرٹ کارڈ کا رنگین سرورق۔ صفحات ۹۷' قیمت صرف ۲۵ روپے۔

"جواب تلخ می زیبدلب لعل شکر خارا"۔ کتاب کا سرورق دیکھتے ہی یہ مصرع میرے ذہن میں گونج گیا۔ مگر اندرونی سرورق پر یہ مصرع لکھا دیکھا کہ "نوارا تلخ تری زن چوں ذوق نغمہ کم یابی" اسے پڑھ کر اندازہ ہوا کہ معاشرہ کے احوال کے تجربات و مشاہدات نے ان کی شیرینیِ سخن کو حرفِ تلخ میں بدل دیا۔ سچ یہ ہے کہ کبھی کبھی حرفِ تلخ ہی درست بیٹھتا ہے۔ "کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی۔"

کمال صاحب کا کمال یہ ہے کہ مصروفیات ان کے سارے لمحات کو چٹ کر جاتی ہیں' مگر پھر بھی وہ شعر گوئی کے لیے حسب ضرورت نئے لمحات پیدا کر لیتے ہیں۔ یعنی ۲۴ گھنٹوں کے علاوہ بھی ان کے پاس وقت موجود رہتا ہے۔ "وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے"۔ وہ زمانۂ نوجوانی سے نوجوان شاعری پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ اب انہیں وقت بوڑھا کرنے کے لیے زور لگا رہا ہے مگر وہ حسبِ سابق شعر گوئی میں بالکل نوجوان ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس دنیا میں اختر میواتی اور حمید جالندھری جیسے کچھ لوگ بھی ہیں' ورنہ ہم کو اور کمال صاحب کو میدانِ اشاعت میں گھسنے کا یارا کہاں۔ یاروں کی ایک خاص صف تو اسی صدمے سے نڈھال ہوئی جاتی ہوگی کہ "اوہ' کمال سالارپوری کا مجموعۂ اشعار کیوں چھپ گیا' اور نہ جانے اور کیا کیا دیکھنا قسمت کے نوشتے میں لکھا ہے۔"

شاعر اور اختر میواتی اور جناب آسی ضیائی کے اہم نوشتے' مجموعہ کا تعارف پیش کرتے ہیں۔
فی الحقیقت یہ چھوٹا سا مجموعہ ۲ طویل نظموں پر مشتمل ہے۔ (۱) ساقی نامہ (۲) زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن۔ یہ دونوں نظمیں خرابیِ احوال پر تنقید بھی ہیں اور اصلاح کی طرف

متوجہ بھی کرتی ہیں۔ شروع میں ایک حمد اور ایک نعت ہے۔ آخر میں ایک اور نظم کے ۸ بند ہیں' یہ عنوان "جہاں انسانیت کا بول بالا ہو وہاں چلیے۔" اور دوسری نظم میں سات بند ہیں اور اس کا عنوان ہے "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد" ۔ آگے چار مصرعوں کے قطعات ہیں' تقریباً ۳۲ ہوں گے۔

نظم ساقی نامہ میں سوشلسٹوں' فریب خوردہ نادان مزدوروں' منعموں اور زرداروں' انتظامیہ اور اس کے کل پرزوں' تفرقہ پرواز حلقوں اور طالب علم گروہ کے فسادِ کردار و احوال پر واشگاف باتیں کی گئیں ہیں۔ تو ساقی نامہ یوں شروع ہوتا ہے ۔

پلا ساقیا وہ شرابِ طہور   غمِ زندگی جس سے ہوجائیں دور
بدن کی خبر ہے نہ دل کی خبر   مسائل میں الجھا ہوا ہے بشر

پھر بدلتے ہوئے مضامین کے لیے اچھے اچھے شعر نکالے گئے ہیں۔ مثنوی کی یہ بحریوں بھی بڑی رواں ہے۔ پہلے پہل جب اکبر الہ آبادی نے اس بحر میں آب لڈور کا نقشہ کھینچا تھا۔ (جسے انگریزی سے ترجمہ کیا گیا) تو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا تھا کہ واقعی ندی سامنے بہہ رہی ہے اور پانی اچھلتا اور رخ بدلتا' پتھروں میں سے ہوتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ کمال صاحب کا بحر بھی بیکراں ہے' انہوں نے ساقی نامہ کی جو جوئے شعر بہائی ہے وہ بھی گاتی' اچھلتی' پتھروں کو ریلتی آگے بڑھ رہی ہے۔

نیم علم محنت کش عوام کا نقشہ کھینچتے ہوئے یہ شعر خوب رہا۔

یہ محرومِ فہم و نگاہ و شعور   بہشتِ حماقت کے بھولے طیور

منعموں' زرداروں اور جاگیرداروں کا بھی عمدہ نقشہ ہے۔ دو شعر ملاحظہ ہوں ۔

زمانے میں ان کی ذہانت کی دھوم   جہالت بھی ہے ان کی بحرالعلوم
نحوست کے بازار میں نیک نام   خیانت کی دنیا کے عالی مقام

ایک جگہ "دلال" بغیر تشدید لام باندھا ہے۔ یہاں نر بھی ہیں اور مادے بھی ہیں۔ یہاں مادے کا استعمال درست نہیں۔ آگے انتظامی مشینری پر خوب تبصرہ ہے۔ پھر علما کی باری آتی ہے (علمائے حق مستثنیٰ) ملاحظہ ہوں ۔

یہ زہد و ورع کے جلال و جمال   یہ تقویٰ بہ جلوت کے حسن و کمال
یہ دینِ تنفر کے شعلہ بیاں   یہ مکتب کی ناگفتنی داستاں
یہ دشنام سازی کی قدسی مشین   یہ خلقِ پیمبر کے. واحد امیں

اور پیرانِ خود مست ۔

بدن ان کے موٹے، ضعیف ان کی روح مگر خواہشیں مثل طوفان نوحؑ

شاعر نے محنت کش غریبوں کی بدحالی اور جدید و قدیم درسگاہوں کے طلبہ کے احوال کو بھی بڑی دردمندی سے بیان کیا ہے۔

پھر "زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن" کے عنوان سے عالمانِ دین کے دورِ عروج کے بعد موجودہ پستی پر اظہارِ درد کیا ہے۔ یہ حصہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، مگر جگہ نہیں کہ دو چار اشعار درج کیے جائیں۔

حق یہ ہے کہ حرفِ تلخ کو کمال صاحب نے اپنے سحرِ فن سے شیریں بنا دیا ہے۔

(ن ۔ ص)

نور منارہ : تالیف، جناب لالہ صحرائی۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور۔ تقسیم کنندہ: المنار بک سنٹر منصورہ، لاہور (کوڈ: ۵۴۵۷۰)۔ سفید کاغذ پر اچھی کتابت و طباعت، سرورق دبیز آرٹ کارڈ۔ مضمون کے مطابق خوبصورت منظر، صفحات ۲۷۶، قیمت ۴۵ روپے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی درخشاں اور پرکشش شخصیت کی عکاسی کتنے ہی حضرات مختلف انداز میں کر چکے ہیں۔ مگر جو تشبیہ محترم لالہ صحرائی نے مولاناؒ کے لیے استعمال کی ہے (نور منارہ یا لائٹ ہاؤس) وہ صحیح بھی ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ "لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت"۔ خود لالہ صحرائی شاندار ادبی انداز میں مولاناؒ کی شخصیت، اخلاق، فکر، نصب العین اور عملی سرگرمیوں کے متعلق معلومات، تاثرات اور کیفیات کو پیش کرنے میں منفرد مقام تک پہنچے ہیں۔ حقیقتوں کو مسخ اور دھندلا کیے بغیر انہوں نے افسانوی اسلوب کے لباس شبنمیں میں بہ اندازِ دگر نمایاں کیا ہے۔ موصوف نہایت زوردار ادبی قلم رکھتے ہیں، اور یہ کتاب اس کی گل افشانیوں پر مشتمل ہے۔

چند جملے بہت اختصار کے ساتھ عرض ہیں:

——— "ہمارے اس عہد میں سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمہ ایک ایسے ہی مبارک و مکرم شخص تھے جو اپنی زبردست ایمانی قوت اور چٹان کی مانند مضبوط کردار کے ساتھ زندگی بھر جہل کے اندھیروں سے نبرد آزما رہے۔" (ص ۱۲)

——— "میں نے مولاناؒ کی سات آٹھ تالیفات اکٹھی منگوائیں جو میرے لیے راتوں کی نیندیں حرام کرنے والا لٹریچر ثابت ہوئیں .... اس طرح مولانا نے مجھے گویا

پہلی نظر میں گھائل کردیا۔" (ص ۱۹)

---------"آپ کو (مراد مولف) آج ایک غیر مسلم کے قتل پر افسوس ہو رہا ہے اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے' اس ملک میں مسلمان مسلمان پر ہر ظلم کرے گا' مسلمان مسلمان کا حق مارے گا' حتیٰ کہ مسلمان مسلمان کا گلا کاٹے گا........ خود کو خادم اسلام' مجاہد اور غازی بھی کہلائے گا۔" (ص ۲۴)

---------"روایت پروری اور وضع داری کے تو مولاناؒ بادشاہ ہیں" (ص ۳۱)

یہ چند سطریں لکھنے کے بعد میرا اندازہ یہ ہے کہ اس طرح کے فقرے جمع کرنے میں بھی بات لمبی ہوجائے گی۔ میرا خیال ہے کہ بس ایک بڑا اقتباس اور شامل کردوں:

---------"طریقِ تنظیم میں مولاناؒ نے ایک نیا اہتمام یہ کیا کہ افرادِ تنظیم کے لیے عہدوں اور مناصب کی خواہش اور ان کے لیے ہر قسم کی خفی و جلی کوشش (یہاں لفظ خواہش دوبارہ استعمال کیا گیا ہے جو اچھا نہیں لگتا۔ راقم سطور) کو ناجائز قرار دے دیا۔ اور جماعتی عہدوں کے ساتھ آخرت کی جوابدہی کے گہرے احساس کو وابستہ کرکے ان عہدوں کو برتری اور چوہدراہٹ کا روپ دینے کے بجائے ایسی گراں بار ذمہ داریوں کا امین بنا دیا کہ لوگ مارے خوف کے ان سے گریز کرنے لگے۔" (ص ۴۸)

فی الواقع صحیح مقصد کے لیے کام کرنے والی کسی تنظیم کی یہ بڑی اہم علامت ہے۔

یہ چند سطریں تو محض تعارفِ کتاب کے لیے تھیں' اہلِ ذوق خود ملاحظہ فرما کر لطف اندوز ہوں۔

کتاب کے تقریباً دو تہائی حصہ میں مولاناؒ کے ارشادات' سوالوں پر دیے گئے جوابات یا لٹریچر کے اہم اقتباسات کا گنجینہء معنی آپ کے سامنے آئے گا اور بہت سی باتوں کے ساتھ "شانِ نزول" بھی۔ یہ اقتباسات لالہء صحرائی کے ذہنِ رسا اور ذوقِ بلند کے آئینہ دار ہیں۔ انہوں نے بہت سی فراموش کردہ باتیں ہم کو یاد دلا دی ہیں۔ داغ ہائے سینہ کو تازہ رکھنے کے لیے نادر نسخہ ہے۔ (ن۔ ص)

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ: مصنف: پروفیسر محمد سلیم' ناشر: فاران نشریات' ۳ بہاول شیر روڈ' مزنگ لاہور۔ ضخامت: ۹۷ صفحات --- قیمت ۵۰ روپے

مولانا مودودیؒ عصر حاضر کے ایک بڑے انسان تھے ---- بڑا انسان ہونا خوش بختی ہے اور ایک اعزاز بھی۔ بڑے آدمیوں کی زندگی میں کسی نہ کسی پہلو سے دل کشی اور جاذبیت ہوتی ہے اور بسا اوقات ان کے ہمہ گیر و ہمہ پہلو کارناموں کا بیان آسان نہیں ہوتا --- ان کی شخصیت کے جس پہلو کو لیں' ۔ "کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا است" کی کیفیت نظر آتی ہے اور' ۔ "ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما" کا احساس ہوتا ہے --- مولانا مودودیؒ ایسے ہی بڑے آدمی تھے۔

ان پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں' اور ان کی زندگی اور کارناموں کے کئی رخ سامنے آچکے ہیں' بایں ہمہ ان کی ہزار شیوہ شخصیت کے متعدد پہلوؤں کی نقاب کشائی باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے مولانا مرحوم کا زمانہ پایا' انھیں دیکھا اور احیائے اسلام کے لیے ان کی تاریخ ساز جدوجہد کا مشاہدہ کیا' وہ وقتاً" فوقتاً" ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں۔

پروفیسر سید محمد سلیم ہمارے دور کے ممتاز معلم و مورخ اور مصنف ہیں۔ زیر نظر کتاب میں' انھوں نے اختصار' مگر جامعیت کے ساتھ مولاناؒ کی شخصیت اور علمی و دینی کارناموں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے تو انھوں نے' وہ تاریخی اور تشکیلی پس منظر بیان کیا ہے' جس میں مولاناؒ کی شخصیت پروان چڑھی۔ ان کے خیال میں برعظیم ہندو پاکستان کے مسلمانوں پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اس نے مجدد الف ثانیؒ' شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ' ایسی عبقری شخصیات کے تسلسل میں' ابوالاعلیٰ مودودیؒ ایسے نابغہ روز گار انسان کو پیدا کیا' جس نے مسلمانوں کو اقامتِ دین کا بھولا ہوا نصب العین یاد دلایا' اور اس ضمن میں منظم جدوجہد کے لیے' انھوں نے ایک جماعت تشکیل دی' جو اسلامی نظام کے قیام کے لیے اپنی سعی و کاوش جاری رکھے ہوئے ہے۔

پروفیسر سید محمد سلیم بتاتے ہیں کہ الجہاد فی الاسلام' ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا پہلا نمایاں علمی کام ہے۔ اس کی داد انھوں نے علامہ اقبالؒ جیسے نابغۂ عصر سے پائی۔ "اس کتاب کا لکھنا خود مولانا مودودیؒ کے لیے' اور مسلمانوں کے لیے خیر کا سبب بنا" (ص ۱۹)۔ مولاناؒ نے بعد ازاں ترجمان القرآن جاری کیا' تو فکری محاذ پر انھیں بیک وقت مغربیت' عقلیت پرستی' لادینیت اور متحدہ قومیت کے خلاف چومکھی لڑائی لڑنی پڑی۔ بطورِ خاص' مسئلہ قومیت پر ان کی تحریروں نے تشکیلِ پاکستان کی مہم میں اہم کردار ادا کیا۔ سید محمد سلیم کہتے ہیں کہ نصف صدی گزر جانے کے بعد' آج ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ رسالہ "ترجمان القرآن" نے مسلمانوں کے ساکن اور جامد بحر میں کس قدر

تموّج اور تلاطم پیدا کر دیا تھا ـــــ پھر انہوں نے مولانا مودودیؒ کی برپا کردہ تحریک ' جماعتِ اسلامی کی تشکیل ' اس کی ہیئت ' دائرہ کار اور میدانِ عمل کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ مولاناؒ نے جماعت کو ایسی ٹھوس تنظیمی بنیادوں پر منظم کیا کہ تشدد و ابتلا کے کئی وار بھی اس کے ڈھانچے کو نہیں ہلا سکے۔

"تفہیم القرآن" مولانا مودودیؒ کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہے۔ مصنف نے بجا طور پر ' قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ سرسیّد ' مولانا فراہیؒ اور ابوالکلام آزاد کی تفاسیرِ قرآن ناتمام رہیں۔ مگر مولانا مودودیؒ پر اللہ کا خاص کرم ہوا کہ سیاسی ہنگامہ خیزیوں کے باوجود انہوں نے یہ تفسیر مکمل کرلی۔ آگے چل کر انہوں نے پاکستان کی دستوری جدوجہد میں مولاناؒ کے تاریخی کردار ' اسی طرح ابتلا و آزمائش میں ان کی عزیمت اور علماء کی طرف سے ان کی مخالفت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں انہوں نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں: گروہِ علماء کی مخالفت کا انداز بڑا عجیب ہے۔ ایک عالم جو عدالتِ عالیہ کے جج بھی رہ چکے تھے۔ ان سے سولت کے سفر میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے وہ تمام باتیں دہرائیں ' جو "خلافت و ملوکیت" کے ضمن میں بطور اعتراض کی جاتی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ باتیں مولانا مودودیؒ نے طبری ' طبقات ابن سعد ' ابن العربی وغیرہ سے لی ہیں۔ آپ مولاناؒ کی تو مخالفت کرتے ہیں ' مگر ان مصنفین کا نام نہیں لیتے ' جنہوں نے مولاناؒ سے بھی پہلے یہی باتیں لکھی ہیں۔ وہ فرمانے لگے: "انہوں نے تو عربی میں لکھا ہے۔ مودودیؒ نے اردو میں لکھا ہے ' اس لیے جرم اس کا ہے" ـــــ مگر اس کے ساتھ سیّد محمد سلیم نے بتایا کہ حق گو اور انصاف پسند علماء نے مولانا مودودیؒ کی دینی خدمات کا ہمیشہ اعتراف کیا اور ان کی تحسین کی ہے۔

پروفیسر صاحب کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ: بلاشبہ مولانا مودودیؒ ایک نابغۂ عصر تھے ' جنہوں نے زمانے کا رخ پھیر دیا ' اور جنہوں نے وقت کا دھارا موڑ دیا:

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

اس کتاب کی اشاعت و طباعت معیاری اور کاغذ نہایت عمدہ ہے ' البتہ سرورق کی کلر سکیم ' موضوع کے حسبِ حال نہیں۔

(تبصرہ نگار۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

REGD. NO. L 5340

PHONE: 234014
236665

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE

ترجمۂ قرآنِ مجید

مع مختصر حواشی

سید ابوالاعلیٰ مودودی

اس میں مترجم نے قرآنِ حکیم کے متن اور
تفہیم القرآن کے ترجمے کے ساتھ بہت مختصر حواشی
درج کر دیے ہیں تاکہ عام لوگ جو قرآنِ مجید کا سیدھا سادہ
مفہوم سمجھنا چاہتے ہیں وہ ایک ہی جلد میں

تفہیم القرآن

کے خلاصے سے فائدہ اٹھا سکیں

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ● صفحات: ۱۵۸۴ ● ہدیہ: -/۱۷۵ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار، لاہور

فون: ۲۳۴۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵ ● پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳